Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

کشمیر الیوم

ماہنامہ (رجسٹرڈ)

جلد نمبر 23، شمارہ نمبر 5، دسمبر 2025ء جمادی الثانی / رجب المرجب ۱۴۴۷

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی | حامد میر

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

اس شمارے میں

اداریہ	کشمیریوں کے خلاف منظم نفرت!!!	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
گرداب	آئینہ کشمیر!! کشمیر پر حماقتوں اور مغالطوں کی کہانی	سید عارف بہار	4
اظہار خیال	انسانی زندگی معاشرت اور سیاست	شہزاد منیر احمد	6
حرفِ حُر	آہ!! متین فکریؒ بھی چلے گئے	شیخ محمد امین	9
فکرونظر	متین فکریؒ ۔ سید مودودیؒ اور سید گیلانیؒ کی حکمت کا وارث	سید عمر اویس گردیزی	11
دِیدۂ دِل	درویش خدا مست ۔ متین فکریؒ	قیصر یعقوب	15
تذکرہ شہداء	شہید شمس الحقؒ	شہباز بڈگامی	17
انٹرویو	متین فکری رحمت اللہ علیہ	شیخ محمد امین / فاروق احمد	19
سوال و جواب	آپ نے پوچھا ہے!!!	مفتی خالد عمران خالد	24
تذکرہ شہداء	شہید ارشد ایوبؒ	اعجاز نازکی	26
حالات حاضرت	کشمیریوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت	محمد فردوس بابا	27
کشمیر کے شب و روز	مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان خونی معرکے	ہمایوں قیصر	30

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں و کشمیر : غازی محمد اعظم

گلگت بلتستان : عبدالہادی ہونجوی

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوار الحق

نیویارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد

کمپوزنگ / منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے، جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقامِ اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زرتعاون 500 روپے

خط و کتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ "کشمیر الیوم" NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

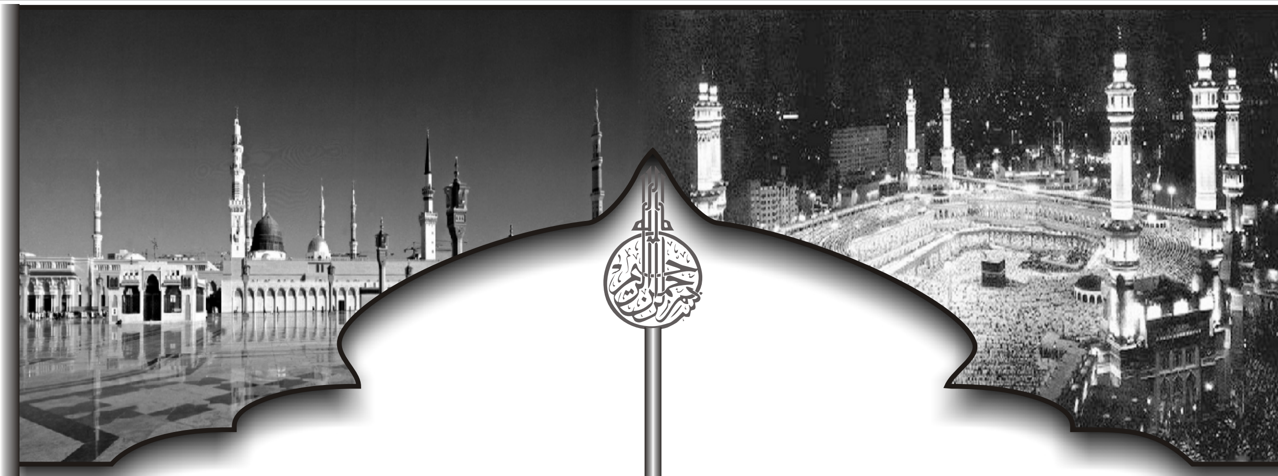

القرآن

جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں!!!

اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا مردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟ (اس طرح کی نشانیاں دِکھا دینا کچھ مشکل نہیں ہے) بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہل ایمان (ابھی تک کفار کی طلب کے جواب میں کسی نشانی کے ظہور کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کفر کا رویّہ اختیار کر رکھا ہے ان پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے، یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پورا ہو۔ یقیناً اللہ اپنے وعدے کے خلاف ورزی نہیں کرتا تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر میں نے ہمیشہ منکرین کو ڈھیل دی اور آخر کار ان کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی۔ پھر کیا وہ جو ایک ایک متنفس کی کمائی پر نظر رکھتا ہے (اس کے مقابلے میں یہ جسارتیں کی جارہی ہیں کہ) لوگوں نے اس کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں؟ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ان سے کہو، (اگر واقعی وہ خدا کے اپنے بنائے ہوئے شریک ہیں تو) ذرا ان کے نام لو کہ وہ کون ہیں؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا؟ یا تم لوگ بس یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کیا ان کے لئے مکاریاں خوشنما بنا دی گئی ہے اور وہ راہ راست سے روک دیے گئے ہیں، پھر جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اُسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے ایسے لوگوں کے لیے دنیا کی زندگی ہی میں عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ کوئی ایسا نہیں جو انہیں خدا سے بچانے والا ہو۔

(سورۃ الرعد آیات 30 تا 33 تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

الحدیث

باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت!!!

یحییٰ نے عبید اللہ سے حدیث بیان کی، کہا مجھے نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی، انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا: ’’آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز اس کی اکیلے پڑھی گئی ستائیس نمازوں سے بڑھ کر ہے۔‘‘

(صحیح مسلم)

جو جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا اور مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا!!!

حماد بن زید نے ہمیں جعد ابو عثمان سے حدیث بیان کی، انھوں نے ابو رجاء سے، انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث روایت کی، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص اپنے امیر میں ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہے تو صبر کرے، کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی ہٹا اور (اسی حالت میں) مر گیا تو یہ جاہلیت کی موت ہے۔‘‘

(صحیح مسلم)

ہدایت کی طرف بلانے کا ثواب!!!

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے ہدایت کی طرف بلایا، اسے پیروی کرنے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا، اس سے ان کے اجر و ثواب میں کمی نہیں آئے گی، اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا، اسے پیروی کرنے والوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا، اس سے ان کے گناہوں میں کمی نہیں آئے گی۔‘‘

(سنن ابی ماجہ)

کشمیریوں کے خلاف منظم نفرت!!!

بھارت میں کشمیریوں کے خلاف نفرت کوئی حادثاتی جذبہ نہیں بلکہ ایک طویل المدتی ریاستی وسماجی منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔گزشتہ دہائی کے سیاسی منظرنامے پر اگر نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت کسی شک وشبہ کے بغیر آشکار ہوتی ہے کہ کشمیریوں کے خلاف تعصب، پروپیگنڈا اور اجتماعی سزا کا عمل نہ صرف تیز ہوا ہے بلکہ یہ بھارتی قومی نفسیات کا ایک اٹوٹ حصہ بنتا جارہا ہے۔2019ء کے پلوامہ واقعے کو ایک مستقل ہتھیار بنا کر جس بے دردی سے کشمیریوں کو مشکوک، مجرم اور دشمن بنا کر پیش کیا گیا اور کیا جارہا ہے، اس نے ہندوستانی معاشرے میں نفرت کے اس بیج کو مضبوط جڑوں کے ساتھ گاڑ دیا ہے۔حالیہ دنوں میں دہلی دھماکے کے بعد جاری ہونے والی گرفتاریوں، تلاشیوں، چھاپوں اور میڈیا کی گمراہ کن مہم نے اس بات کو مزید واضح کر دیا ہے کہ بھارت کو صرف ایک بہانہ چاہیے۔کوئی بھی دھماکہ، کوئی بھی جھوٹا فلیگ آپریشن، کوئی بھی مشکوک خبر ہو تو پوری ریاستی مشینری سیکیورٹی کے نام پر کشمیریوں کے خلاف کھڑی ہو جاتی ہے۔دہلی دھماکے کی غیر واضح صورتحال کے باوجود ہر چند گھنٹوں بعد ایک اور کشمیری گرفتار جیسے بیانات اس بات کا ثبوت ہیں کہ یہ کارروائیاں سچ کی تلاش سے زیادہ سیاسی نفسیات کی تشکیل سے تعلق رکھتی ہیں۔تشویش ناک بات یہ ہے کہ اس مرتبہ حملہ صرف نوجوانوں، مزدوروں یا عام شہریوں پر نہیں بلکہ کشمیر کی اعلیٰ علمی شخصیات اور پروفیشنل طبقے پر ہو رہا ہے۔ڈاکٹرز، پروفیسرز، وکلاء اور محققین کو دہشت گردی جیسے من گھڑت الزامات میں گھیر کر ایک پوری قوم کے ذہین اور فعال طبقے کو مفلوج کرنے کی باقاعدہ کوشش کی جارہی ہے۔یہ بھی ایک بنیادی سوال ہے کہ جدید ترین فرانزک سہولیات رکھنے والی دہلی اور یوپی کی لیبارٹریوں کے ہوتے ہوئے دھماکہ خیز مواد کی جانچ کشمیر کے ایک مقامی تھانے میں کیوں کی گئی؟ ایسے سوالات اس جانب اشارہ کرتے ہیں کہ مقصد حقیقت تک پہنچنا نہیں بلکہ بیانیہ گھڑنا تھا۔کشمیر میں محاصرے، تلاشیوں اور اجتماعی گرفتاریوں کا جو سلسلہ جاری ہے، اس نے کشمیری عوام کو شدید نفسیاتی اور سماجی جبر میں مبتلا کر دیا ہے۔یہ تاثر پختہ تر کیا جارہا ہے کہ کشمیریوں کو اپنے بنیادی انسانی حقوق، اپنی شناخت اور اپنے سیاسی مؤقف سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ان پر یہ دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ وہ اپنی مزاحمتی تحریک سے لاتعلقی اختیار کریں، حالانکہ یہ تحریک ان کی تاریخ، ان کے وجود اور ان کے اجتماعی شعور کا حصہ ہے۔دنیا کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ کشمیر محض ایک علاقائی تنازعہ نہیں بلکہ انسانی حقوق کا بحران ہے۔ایک ایسا بحران جس میں لاکھوں لوگوں کی زندگیاں، عزتیں اور مستقبل داؤ پر لگا ہوا ہے۔بھارت جس شدت کے ساتھ کشمیریوں کے خلاف نفرت کو ہوا دے رہا ہے، وہ ایک بڑے سانحے کا پیش خیمہ ہوسکتا ہے۔۔اسلامی دنیا، بین الاقوامی برادری اور انسانی حقوق کے اداروں کو بروقت اور مضبوط ردعمل دینا ہوگا۔تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی عالمی برادری خاموش رہی ہے، المیے ناگزیر ہو گئے ہیں۔آج کشمیر ایک ایسے موڑ پر کھڑا ہے جہاں ایک اور جموں جیسی بے دخلی یا اس سے بھی سنگین حادثے کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔بھارت کا مقصد واضح ہے کہ کشمیریوں کو دہشت گرد ثابت کر کے ان کے خلاف کسی بڑے آپریشن کو عالمی سطح پر قابل قبول بنانا ہے۔اس خطرناک کھیل کو روکنا عالمی اداروں اور مسلم امہ کی ذمہ داری ہے۔ورنہ آنے والی تاریخ ہمارے اس دور کو خاموش تماشائیوں کا دور قرار دے گی۔

ایک عہد کا خاتمہ

24 نومبر 2025 کو ماہنامہ کشمیر الیوم کے بانی مدیر، متین فکریؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ان کی شخصیت محض ایک تجربہ کار صحافی یا ادارتی منتظم تک محدود نہیں تھی، وہ ایک ہمہ جہت علمی وفکری شخصیت تھے۔ان کی تحریروں میں جہاں تحقیق کا وقار تھا، وہاں اسلامی فکر کی لطافت بھی جھلکتی تھی۔وہ تاریخ، اسلامی علوم، سیاست، فلسفہ اور عالمی تحریکات پر گہری نظر رکھتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تحریر ایک جامع تجزیہ ہی نہیں بلکہ فکری رہنمائی کا درجہ رکھتی تھی۔وہ ایک دردمند دل رکھنے والے عاشق رسول ﷺ تھے۔وہ صحافت کو محض خبر رسانی نہیں بلکہ امر بالمعروف کا حصہ سمجھتے تھے۔تحریک آزادی کشمیر کے ساتھ ان کا تعلق رسمی نہیں، قلبی اور ایمانی تھا۔ماہنامہ ''کشمیر الیوم'' کے مدیر کی حیثیت سے انہوں نے اس مجلے کو صرف ایک رسالہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسے ایک ادارہ فکر میں بدل دیا۔ان کی سرپرستی میں یہ مجلہ کشمیر کی فکری سمت کا تعین کرنے والا ایک معتبر پلیٹ فارم بن گیا۔ان کا جانا صرف ایک فرد کا جانا نہیں، ایک فکر، ایک روایت، ایک عہد کا خاتمہ ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز فرمائے۔آمین

آئینہ کشمیر !!! کشمیر پر حماقتوں اور مغالطوں کی کہانی

عارف بہار

بھارت پانچ اگست 2019 کے بعد سے مسئلہ کشمیر کو یک طرفہ طور پر ختم کر چکا ہے ۔ایسا نہیں کہ بھارت نے پہلی بار مسئلہ کشمیر کی حقیقت سے انکار کیا ہو۔عرصہ دراز سے بھارت نے مسئلہ کشمیر کے حل کے کسی معنی خیز عمل کا حصہ بننے سے انکار کی مستقل پالیسی کو’’اٹوٹ انگ‘‘ کی اصطلاح میں لپیٹ رکھا تھا مگر اٹوٹ انگ کی رٹ لگانے کے باوجود بھارتی حکمران ’’اگر مگر‘‘ کے ساتھ کشمیر پر کسی نہ کسی سمجھوتے کے عمل میں شریک رہ کر عملی طور پر کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم کرتے رہے ہیں ۔نریندر مودی نے اس پالیسی کی قالین ہی اُلٹ ڈالی ہے اور اب وہ کشمیر کے مسئلے کے وجود سے ہی انکاری ہو کر پاکستان کے ساتھ کسی سفارتی سرگرمی اور مذاکرات سے گریز کی راہ اپنائے ہوئے ہیں ۔صرف کشمیر کی متنازعہ حیثیت سے انکار ہی نہیں کیا جا رہا بلکہ کشمیریوں کا الگ وجود ثقافت اور شناخت بھی اب داؤ پر لگ چکی ہے۔

بھارت کے اس کوتاہ اندیشانہ اور یک طرفہ نکتہ نظر کے باوجود کشمیر نہ صرف ایک حقیقت کے طور پر موجود ہے بلکہ اس کی متنازعہ حیثیت کی حقیقت بھی اپنی جگہ پر قائم ہے ۔اس حوالے سے تحقیقی علمی اور فکری کام بھی جاری ہے ۔آزاد کشمیر سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس سید منظور حسین گیلانی کی تازہ تصنیف ’’آئینہ کشمیر‘‘ بھی اسی کام کا ایک تسلسل ہے ۔جسٹس سید منظور حسین گیلانی کی زندگی کا ایک اہم اور ابتدائی حصہ سری نگر میں گزرا ۔علی گڑھ سے قانون کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کشمیر میں وکالت شروع کی ۔ستر کی دہائی میں ویزے پر آزاد کشمیر میں مقیم اپنے والدین

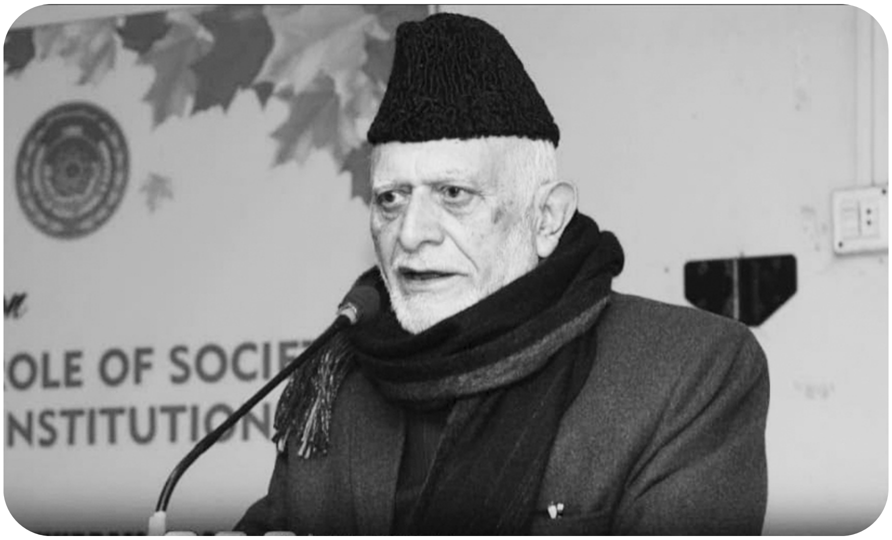

اور عزیز و اقارب سے ملنے آئے تو پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے ۔عملی زندگی کے سفر میں آزاد جموں و کشمیر سپریم کورٹ کے قائمقام چیف جسٹس تک جا پہنچے ۔کئی کتابوں کے مصنف ہونے کے ساتھ سیاسی مبصر اور کالم نگار کے طور پر بھی متحرک ہیں ۔جسٹس گیلانی کی تازہ تصنیف مسئلہ کشمیر کے تاریخی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے حال اور مستقبل کے منظر نامے کا احاطہ کئے ہوئے ہے ۔مصنف جب ماضی میں جھانکتے ہیں تو پاکستان کی کشمیر پالیسی پر قدم قدم پر جھول اور کمزوریاں نظر آتی ہیں جو قوت ارادی کی کمی سے پھوٹتی ہیں ۔یہ رویے صرف کشمیر کی حد تک ہی غالب نہیں بلکہ پاکستان کے کارپردازان کے یہ رویے خود پاکستان کے ساتھ اپنائے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا نتیجہ اٹھہتر سال بعد بھی بے سمتی اور غیر یقینی کی صورت میں نظر آتا ہے ۔کتاب میں سابق وزیر خارجہ خورشید محمود قصوری ، امریکہ میں مقیم کشمیری راہنما ڈاکٹر غلام نبی فائی ، پیپلز پارٹی کے راہنما فرحت اللہ بابر ،معروف صحافیوں مجیب الرحمان شامی ،حبیب اکرم ، سابق بیوروکریٹ افضل علی شگری ، سابق سفیر ڈاکٹر شاہد حشمت اور آزاد منش کشمیری دانشور مرتضیٰ شبلی کے تبصرے بھی شامل ہیں ۔ان میں خورشید قصوری چونکہ مسئلہ کشمیر کے ایک اہم موڑ کے واقف حال اور چشم دید گواہ ہیں اس لئے ان کے تبصرے کے اندر کئی خبریں اور انکشافات موجود ہیں ۔جنرل پرویز مشرف کے دور میں جب مشرف من موہن پیس پروسیس کے تحت دونوں ملک کشمیر پر ایک حتمی سمجھوتے کے قریب پہنچ چکے تھے کہ پاکستان میں وکلاء تحریک نے سارا منظر بدل ڈالا اور یوں یہ لمحہ جسے دونوں ملکوں کی قیادت ہاتھ میں لینے کے قریب پہنچ چکی تھی بہت دور چلا گیا اور پھر لمحہ موجود کا وہ پنچھی اتنا دور نکل گیا کہ دوبارہ ہاتھ نہ آسکا ۔خورشید محمود قصوری نے اس سمجھوتے کے گیارہ نکات بیان کئے ہیں جس کو عرف عام میں مشرف کا چار نکاتی فارمولہ کہا جاتا ہے ۔یہ تمام نکات اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ اس کے بعد مسئلہ کشمیر کا حتمی یا کشمیریوں کی خواہشات کے مطابق حل محض چند گام

اٹوٹ انگ کی رٹ لگانے کے باوجود بھارتی حکمران ’’اگر مگر‘‘ کے ساتھ کشمیر پر کسی نہ کسی سمجھوتے کے عمل میں شریک رہ کر عملی طور پر کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم کرتے رہے ہیں ۔نریندر مودی نے اس پالیسی کی قالین ہی اُلٹ ڈالی ہے اور اب وہ کشمیر کے مسئلے کے وجود سے ہی انکاری ہو کر پاکستان کے ساتھ کسی سفارتی سرگرمی اور مذاکرات سے گریز کی راہ اپنائے ہوئے ہیں ۔ صرف کشمیر کی متنازعہ حیثیت سے انکار ہی نہیں کیا جا رہا بلکہ کشمیریوں کا الگ وجود ثقافت اور شناخت بھی اب داؤ پر لگ چکی ہے

کی دوری پر رہ جاتا ہے۔اس پر من وعن عمل سے کشمیر حقیقت میں پاکستان اور بھارت کے درمیان جنگ کے میدان کی بجائے دوستی کا ایک پل بنتا ہونظر آرہا ہے۔شاید خطے کی سیاست کو کنٹرول کرنے والی طاقتوں کو اس مرحلے پر برصغیر میں ایسا آئیڈیل ماحول درکار نہیں تھا۔خورشید قصوری کے بیان کردہ نکات میں نواں نکتہ منقسم کشمیر کی ممکنہ خدوخال کو ظاہر کر رہا تھا۔وہ لکھتے ہیں کہ ایل اوسی۔۔۔نقشے پر ایک خط؛ بھارت کے اس موقف پر کہ سرحد تبدیل نہیں ہوسکتی پاکستان نے یہ جواب دیا کہ اس صورت میں سرحد کشمیریوں کے مابین موجود نہیں رہے گی اور یہ کہ ان کے لئے ایل اوسی کے دوسری جانب سفر کرنے کی غرض سے ویزا یا پاسپورٹ ضروری نہیں ہوگا۔اس طرح عملی طور پر ایل اوسی نقشے پر ایک خط کے طور پر موجود ہوگی‘‘۔عملی طور پر معاملات خورشید قصوری کے اس بیان کردہ نکتے ہی کے تحت جاری تھے کیونکہ کشمیر کے منقسم خاندانوں کو ویزے پاسپورٹ کی پابندی سفر کی آزادی حاصل ہو چکی تھی اور کنٹرول لائن ان کے لئے حدِ متارکہ جنگ یا محض ایک لکیر تھی جس کو عبور کرنے کے لئے انہیں محض مقامی انتظامیہ کی سفری دستاویزات درکار ہوتی تھیں۔اس سے یہ افسوناک حقیقت بھی سامنے آتی ہے یہ سار اعمل اب رول بیک ہو چکا ہے۔جسٹس گیلانی نے اپنی کتاب میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مختلف ادوار میں زیر گردش تجاویز کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔کتاب میں خورشید قصوری کے موقف کو بھارتی سفارت کار جتندر لانبا کی کتاب ’’امن کی تلاش‘‘ کے اس اقتباس سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ

جسٹس گیلانی کی تازہ تصنیف مسئلہ کشمیر کے تاریخی پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے حال اور مستقبل کے منظر نامے کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔مصنف جب ماضی میں جھانکتے ہیں تو پاکستان کی کشمیر پالیسی پر قدم قدم پر جھول اور کمزوریاں نظر آتی ہیں جو قوت ارادی کی کمی سے پھوٹتی ہیں۔یہ رویے صرف کشمیر کی حد تک ہی غالب نہیں بلکہ پاکستان کے کارپردازان کے یہ رویے خود پاکستان کے ساتھ اپنائے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا نتیجہ اُٹھہتر سال بعد بھی بے سمتی اور غیر یقینی کی صورت میں نظر آتا ہے

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان معاہدہ دستخطوں کے لئے تیار

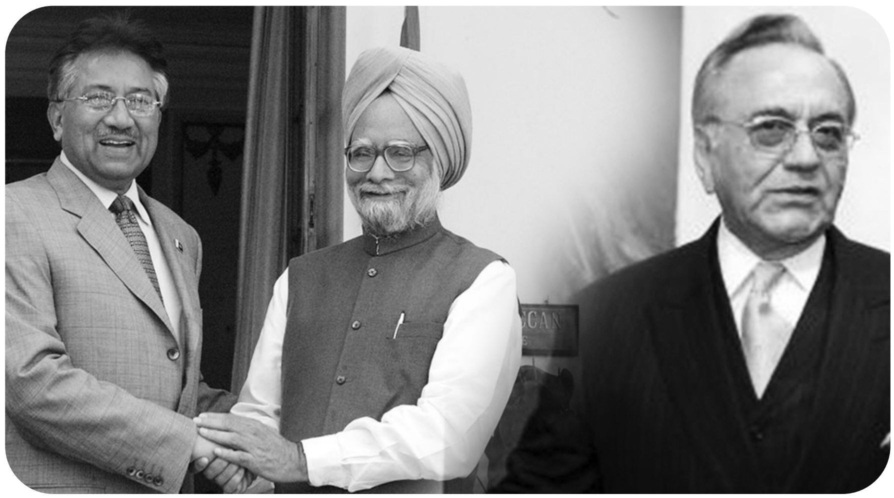

تھا لیکن دونوں ملکوں کے لیڈروں کی اقتدار سے محرومی کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہوسکا۔مودی نے برسر اقتدار آنے کے بعد اس عمل کو آگے بڑھانے کی یوں کوشش کی کہ انہوں نے 2017 میں انہی جتندر لامبا کو وزیر اعظم نواز شریف کے نام ایک ذاتی خط دے کر پاکستان بھیجا اسی عرصہ کے دوران مودی کا خصوصی ایلچی اپنا جہاز لے کر نواشریف سے ملنے چلا گیا۔جس کے بعد ایک ہی کام کے لئے دو نمائندوں کے ملنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔جسٹس گیلانی کی کتاب میں انکشاف کیا گیا۔یہ آمدورفت بھی ایک معاہدے کا مسودہ لے کر جاری تھی۔اس معاہدے کا مسودہ نریندر مودی نے بھی دیکھا تھا۔ایس کے لانبا کے مطابق سب کچھ ختم نہیں ہوا۔امکانات موجود ہیں اصول اور معاہدے کا مسودہ بھی موجود ہے جو دونوں اطراف جب محسوس کریں اس پروسیس کو بحال کر سکتے ہیں۔اس پس منظر میں جسٹس گیلانی پر امید ہیں کہ پاکستان میں ایک مستحکم نظام حکومت قائم ہوتے ہی حالات دوبارہ اسی نہج کی طرف جا سکتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ غیر مستحکم پاکستان کے ساتھ اپنے دوست بھی مطمئن نہیں دشمن کہاں ہوسکتے ہیں اس لئے پاکستان میں مفاہمت کی فضا پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

سید عارف بہار کشمیر کے معروف صحافی، کالم نگار اور مصنف ہیں

جسٹس گیلانی نے اپنی کتاب میں مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے مختلف ادوار میں زیر گردش تجاویز کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔کتاب میں خورشید قصوری کے موقف کو بھارتی سفارت کار جتندر لانبا کی کتاب ’’امن کی تلاش‘‘ کے اس اقتباس سے بھی تقویت ملتی ہے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان معاہدہ دستخطوں کے لئے تیار تھا لیکن دونوں ملکوں کے لیڈروں کی اقتدار سے محرومی کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہوسکا

انسانی زندگی، معاشرت اور سیاست

شہزاد منیر احمد

انسانی زندگی کی پر اسراریت کا یہ ثبوت و دلیل کافی نہیں کہ انسان، خود اس سچائی کی جامعیت سے آگاہ نہیں ہوتا کہ وہ کیا ہے، (انسان یا ابن انسان) دنیا میں اس کا مقام کیا ہے، خود خلیفہ ہے یا پسر خلیفتہ اللہ)۔ اس زندگی کا انجام تو روز محشر ہے۔ یہ محشر کب ہوگا یہ نہیں معلوم۔ ہاں، البتہ روز محشر کیسا ہوگا، اس کا مختصر خاکہ ام الکتاب میں اللہ خالق کائنات، مالک یوم الدین نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت انسان کی زمینی زندگی کی مفصل تصویری نمائش اور RUNNING COMMENTARY ہوگی۔ ساتھ میں ہر فرد کی کارکردگی کی اسناد تقسیم ہوگی، جس کے بعد سب لوگ اپنی ہمیشہ کی زندگی کے ٹھکانوں اور محلوں میں منتقل ہو جائیں گے۔

انسان کی پیدائش کا تو خالق حیات، نو مولود کی آمد کا اس کے والدین کو بتا دیتا ہے لیکن اس کی واپس رخصتی (موت) سے ہر کوئی لاعلم ہوتا ہے۔ انسانی زندگی تین مراحل پر مشتمل ہے، پہلا زمانہ عدم کی زندگی، دوسرا زمین پر زندگی اور تیسرا ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی۔ تینوں مراحل اللہ وحدہ لاشریک کے جامع اور مضبوط رضا کے تابع ہیں۔ ہر زندگی کا دورانیہ اور مقاصد اور پیمانے اللہ نے طے اور مقرر کر رکھے ہیں۔ وہی انسان خوش، پر امن اور فلاح پانے والا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع جیتا ہے۔ خود سری اور سرکشی کرنے والے ناکام و بے مراد جی کر اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے قدیم متجسسین اور محققین کا کہنا ہے کہ متنازعہ انسانی معاشرت کا سراغ ہابیل اور قابیل کے اختلاف سے شروع ہوا۔ معلوم یہ ہوا کہ جہاں دو افراد مشترکہ رہائش اختیار کریں وہیں معاشرت قائم ہوتی اور معاشرتی مسائل کا بیج بھی پھوٹ اٹھتا ہے۔ یہ امر بھی افشا ہوتا ہے کہ" معاشرت بحیثیت خود ایک پر اسرار و پیچیدہ مسئلہ ہے جس کی حکمت صرف اللہ علیم وخبیر جانتا ہے۔ ہمیں یہ علم بھی حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی ماحول، ایک ہی نسبت ایک جیسے شب و روز میں رہنے کے باوجود انسانی ذہن کے اندر بہتے خون کی پیچیدہ آنتوں میں خواب وخیال عزم و آرزوؤں کے دھارے الگ الگ بہتے ہیں۔ انہیں ادبی زبان میں اختلاف رائے کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ قابیل کے ہاتھوں ہابیل کے قتل ہونے سے متنازعہ

انسان کی پیدائش کا تو خالق حیات، نو مولود کی آمد کا اس کے والدین کو بتا دیتا ہے لیکن اس کی واپس رخصتی (موت) سے ہر کوئی لاعلم ہوتا ہے۔ انسانی زندگی تین مراحل پر مشتمل ہے، پہلا زمانہ عدم کی زندگی، دوسرا زمین پر زندگی اور تیسرا ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی۔ تینوں مراحل اللہ وحدہ لاشریک کے جامع اور مضبوط رضا کے تابع ہیں۔ ہر زندگی کا دورانیہ اور مقاصد اور پیمانے اللہ نے طے اور مقرر کر رکھے ہیں۔ وہی انسان خوش، پر امن اور فلاح پانے والا ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع جیتا ہے۔ خود سری اور سرکشی کرنے والے ناکام و بے مراد جی کر اپنے انجام کو پہنچتے ہیں۔

معاشرت سامنے آئی"۔ ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہاں رک کر، ۔۔۔۔۔ ہمارے لیے اس پہلو پر تحقیق کرنا ہت ضروری ہے کہ کیا اس انتہا تک آدمی اپنی ذات کی محبت میں پہنچتا ہے یا دوسرے آدمی سے نفرت رکھنے کی وجہ سے۔؟۔ کیوں کہ کائینات میں یہ اختلاف رائے ہی انسانی معاشرے میں فسادات وقتل و غارتگری اور ریاستوں کی تباہی و بربادی کا سبب بنتا ہے۔

ہابیل اور قابیل کا تذکرہ بغیر ان کا نام لیے، سورت المائدہ کی آیت نمبر 27 میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کیا گیا ہے۔ جب کہ کتاب مقدس میں ان کے ذکر ملتا ہے۔؟. (کتاب مقدس بائبل کو کہتے ہیں۔ 1۔ اس کے دو حصے ہیں۔ عہد نامہ قدیم اور 2۔ عہد نامہ جدید). دلچسپ بات یہ ہے کہ دونوں عہد نامے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اٹھا لئے جانے کے تین سو سال بعد لکھے گئے۔ زندگی کے شب و روز کاٹتے، اتار چڑھاؤ سے گزرتے اور حریفوں اور حلیفوں سے نمٹتے ہوئے راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ انسانی زندگی کی سارے فیصلوں میں" انتظار" بہترین فیصلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ اللہ کو اپنے بندوں کا سب سے ناپسندیدہ عمل اس کا" جلد باز" ہونا ہے، جس سے ابھرنے والے نقصانات سے صرف انتظار محفوظ رکھ سکتا ہے۔ انسان بدبخت اتنا پھسڈی اور نا ہنجار ہے کہ بلا سوچے سمجھے، اللہ کی رضا کے برعکس اپنی خواہشات کی تکمیل کرنے میں بڑا مشتاق و متحرک رہتا ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ ہو، عمر ہو یا شعبہ حرکیات، انسان کہیں فطری اصولوں (جو اللہ الرحمٰن کے وضع کردہ ہیں) کی حدوں میں بند ہے اور کہیں معاشرتی ضابطوں (جو ریاست میں حکومت نے تشکیل دے رکھے ہیں) کا پابند ہے۔ علامہ اقبال نے کیا حقیقت بھرا شعر لکھا ہے

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

جب پابندی ہی زندگی کا مرکزی کردار طے ہے اور اس سے مفر ممکن نہیں تو پھر اس پر ناک بھنویں چڑھانا، منہ بسورنا، نفرتیں پالنا مناسب نہیں۔ غلطی کا اعتراف اور اپنے رویے کی اصلاح لازم و واجب ٹھہرتی ہے۔ اصولوں کی خلاف ورزی کرنے پر گرفت تو ہوگی۔

زندگی صرف محبت ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے
زلف و رخسار کی جنت ہی نہیں، کچھ اور بھی ہے

<u>سیاست کیا ہے</u>

زندگی کے شب و روز کاٹتے، اتار چڑھاؤ سے گزرتے اور حریفوں اور حلیفوں سے نمٹتے ہوئے راقم اس نتیجے پر پہنچا کہ انسانی زندگی کی سارے فیصلوں میں ''انتظار'' بہترین فیصلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ چونکہ اللہ کو اپنے بندوں کا سب سے ناپسندیدہ عمل اس کا ''جلد باز'' ہونا ہے، جس سے ابھرنے والے نقصانات سے صرف انتظار محفوظ رکھ سکتا ہے۔ انسان بد بخت اتنا پھسڈی اور نا ہنجار ہے کہ بلا سوچے سمجھے، اللہ کی رضا کے برعکس اپنی خواہشات کی تکمیل کرنے میں بڑا مشتاق و متحرک رہتا ہے۔ زندگی کا کوئی مرحلہ ہو، عمر ہو یا شعبہ حرکیات، انسان کہیں فطری اصولوں (جو اللہ الرحمٰن کے وضع کردہ ہیں) کی حدوں میں بند ہے اور کہیں معاشرتی ضابطوں (جو ریاست میں حکومت نے تشکیل دے رکھے ہیں) کا پابند ہے۔

منظم لوگوں کا گروہ (سوسائٹی) ریاست میں ایک خوشگوار احسان ''برکت'' ہوتا ہے۔ البتہ حکومت بھلے کتنی ہی چھان پھٹک، احتیاط و انصاف سے منتخب کی جائے، وہ ایک لازم برائی ثابت ہوتی ہے۔ اور بری حکومت میں ریاستی عوام کو ویسی ہی مشکلات، دشواریاں، بیہودگی اور ذلتوں کا سامنا ہوتا ہے، جیسا کسی آمرانہ نظام میں یا محکومیت میں کرتے ہیں۔ تھامس پین، وہ سیاسی فلسفی جس نے 1776 تا 1783 کے دوران اپنی شہرت کمائی اور برقرار رکھی۔ اُس نے اپنے مشہور پمفلٹ Common Sense اور American Crisis کے ذریعے انسانی حقوق کی نشاندہی کی۔ اس کا موقف ہے کہ معاشرہ اپنی حالت میں ایک نعمت ہے، لیکن حکومت even in its best form ایک ضروری بُرائی ہے۔

ہم بات کر رہے ہیں سیاست پر۔ کہ سیاسی معاشرہ کس طرح بنتا اور بڑھتا ہے۔ انسانی معاشرہ قائم کرنا، پھر اس معاشرے کی ایک جامع نگرانی کرنا کہ معاشرتی فضا پر امن پر سکون پر مسرت محسوس ہو۔ یہ مقصد لوگوں میں سے ایک حکومتی گروپ منتخب کر کے باقاعدہ تشکیل دے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جنہوں نے ایک خود مختار ریاست قائم کی ہوتی ہے۔ (آبادی، علاقہ، خود مختاری، حکومت)۔ جہاں عوام کے نمائندے عوام کے لئے یہ خدمات انجام دیتے اور تنظیم کے مقاصد حاصل کرتے ہیں، ایسے معاشرے کو سیاسی فلاسفرز انگریزی زبان میں UTOPIA کہتے ہیں، یعنی ہر چیز IDEAL PERFECTION. نظریاتی اور بہترین کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور وہ اسے IDEAL CONSTITUTION کہتے ہیں۔ ہر ریاستی دستور اپنی اپنی نوعیت میں منفرد ہوتا ہے، کہیں لکھا ہوا، کہیں محض وعدہ کی شکل میں۔ لیکن ایک بات، ایک شق سب دساتیر میں لازمی رکھی جاتی ہے، اور وہ ہے ''انسانی حقوق'' جسے بڑے فخر سے HUMAN BASIC RIGHTS کہہ کر زیادہ دلفریب بنایا جاتا ہے۔ کیونکہ، دساتیر ہوں یا دیگر قوانین وضوابط، اگر ان سے انسانیت خارج کر دی جائے تو پیچھے آئین ایسا ہی فضول دکھائی دے گا، جیسے اعلیٰ محل کے باہر خوبصورت مگر خالی پنجرہ لٹکا ہوا۔ جس میں بٹیر ہو نہ مینا نہ کالا تیتر۔ کسی بھی ریاست کا سب سے بڑا، اہم اور متبرک اثاثہ اس کے عوام ہوتے ہیں۔ عوام ہی حکومت تشکیل دیتے ہیں وہی آئین بناتے ہیں اور وہی پارلیمان منتخب کرتے ہیں اور وہی عدالتیں قائم کرتے ہیں۔ لیکن حکومتیں سب سے زیادہ توہین بھی اسی اثاثے کی، ان کے حقوق کی پامالی کر کے کرتے ہیں۔ تجربہ یہ ہے کہ حکومتی، نااہلی، بد اعمالیوں، عوامی پریشانیوں پر بے حسی دکھانے کے خلاف میڈیا پر خواہ کتنا ہی پروپیگنڈا کیا جائے وہ غیر موثر ثابت ہوتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ حکومت کے لیے درد سر اور پریشان کرنے والا وڈہ نعرہ ہوتا ہے جو چند لوگ سڑک پر نکل کر لگاتے ہیں۔ الحمدللہ! یہ متبرک و مقدس فخر صرف اور صرف آئین فطرت کو

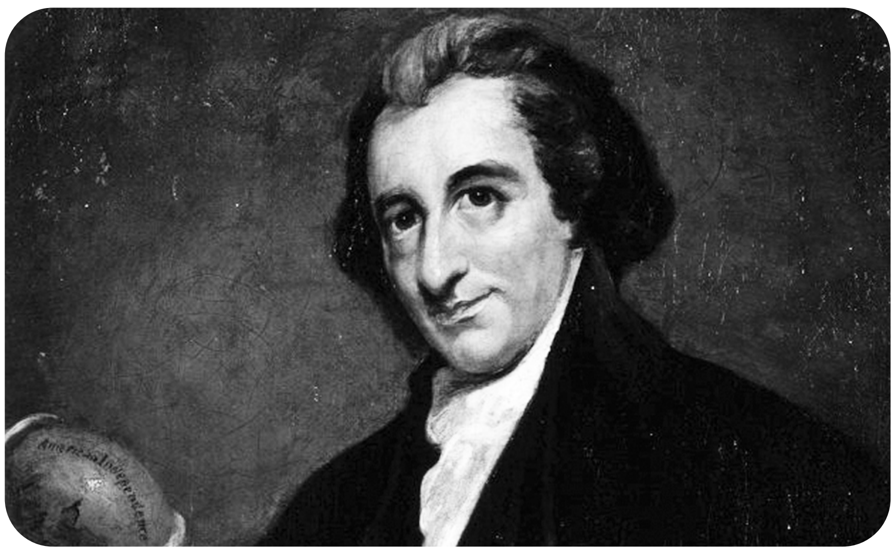

ہو۔

شاعر ندا فاضلی نے ایک گانے میں اسے یوں بیان کیا ہے:-

یہ آسمان یہ بادل یہ راستے یہ ہوا
ہر ایک چیز ہے اپنی جگہ ٹھکانے پہ
کئی دنوں سے شکایت نہیں زمانے سے

دنیا بھر کے ممالک اپنی اپنی ریاست کا آئین تشکیل دیتے ہیں، جو ان کے تہذیبی ارتقاء اور تمدن سے میل کھاتے عوامی امنگوں

حاصل ہے کہ وہ UTOPIAN یعنی نظریاتی دستور ہے ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے انسانوں کے خالق و مالک اللہ رب العالمین نے تخلیق کیا ہے جو انسان کی جامع فلاح و بہبود اور انسانیت کے پھلنے پھولنے اسے فروغ دینے کی محفوظ و مضبوط ضمانت دیتا ہے ۔جیسا کہ علامہ اقبال ،واقف اسرار وحکمت نے اپنی منفرد شاعری اور طرز تحریر میں بیان کیا ہے

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی چنگیزی

تحریک خودارادیت کشمیر

ریاست جموں وکشمیر (جنت نظیر وادی) کے باشندوں نے 14 اگست 1947 میں صدیوں کی غلامی اور محکومی سے طویل عرصہ کی کوششوں اور بے شمار قربانیوں سے آزادی کا سورج چمکتا دیکھا تو ان کی خوشیوں کا عالم دیدنی تھا ۔ظاہر ہے آزادی کی نعمت انسان کے لئے دنیا کی ساری نعمتوں سے افضل ثابت ہے ۔ابھی کشمیریوں کی خوشیوں کا رومانس مہکا اور چہکا بھی نہ تھا کہ 27اکتوبر 1947 کو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی فوجوں کو ریاست جموں وکشمیر میں سرینگر ایئر پورٹ پر اتار کر ریاست پر غاصبانہ قبضہ کروادیا۔ یہ وہ ’’یوم سیاہ‘‘ تھا جس دن جموں وکشمیر کے عوام نے اپنی آزادی کے تحفظ کی خاطر تحریک خودارادیت کا آغاز کیا تھا۔کشمیریوں نے اپنی اس تحریک خودارادیت میں ہر جگہ، ہر طرح کی قربانیاں دی ہیں ۔ہندوستانی پولیس اور سیکیورٹی فورسز کا تشدد ،ظلم وستم ،غیر قانونی گرفتاریاں ، گھروں پہ چھاپے ، نہتے عوام پر گولیاں چلانا ،عورتوں کی بیحرمتی سب جھیلا ،لیکن ابھی تک (77) سالوں سے ان کو ان کا بنیادی حق نہیں دیا جا رہا۔کشمیریوں کی تحریک آزادی خودارادیت کو سبوتاژ کرنے والوں میں اسلام دشمن قوتوں اور طاقتور ممالک کے علاوہ اندرونی بیرونی مکار کردار سب شامل ہیں ۔موجودہ حالات کا تقاضا ہے کہ کشمیری عوام کی سیاسی قیادت آل پارٹیز کانفرنس بلا کرون پوائنٹ ایجنڈا ’’آزادی خودارادیت‘‘ پر جامع غوروخوض کے بعد موثر لائحہ عمل کا آغاز کریں ۔ریاست کے ضمنی یا اضافی مسائل کو فی الحال التوا میں رکھ کر آگے بڑھیں ۔ چونکہ آزادی خودارادیت کا اعلان اغیار کے قبضہ میں ہے جبکہ ریاست کی ترقی کے فیصلے کشمیریوں نے خود کرنے ہیں ۔ یاد رکھنا، اخلاقیات معاشرے کی حفاظت فرماتی ہے، آئین ، قوانین و ضابطے ریاست کو محفوظ بنتے ہیں اور عقیدہ روح کو پاکیزگی بخشتا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر (جنت نظیر وادی) کے باشندوں نے 14اگست 1947 میں صدیوں کی غلامی اور محکومی سے طویل عرصہ کی کوششوں اور بے شمار قربانیوں سے آزادی کا سورج چمکتا دیکھا تو ان کی خوشیوں کا عالم دیدنی تھا ۔ظاہر ہے آزادی کی نعمت انسان کے لئے دنیا کی ساری نعمتوں سے افضل ثابت ہے ۔ابھی کشمیریوں کی خوشیوں کا رومانس مہکا اور چہکا بھی نہ تھا کہ 27 اکتوبر 1947 کو ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ہندوستان کی فوجوں کو ریاست جموں وکشمیر میں سرینگر ایئر پورٹ پر اتار کر ریاست پر غاصبانہ قبضہ کروادیا۔ یہ وہ ’’یوم سیاہ‘‘ تھا جس دن جموں وکشمیر کے عوام نے اپنی آزادی کے تحفظ کی خاطر تحریک خودارادیت کا آغاز کیا تھا

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر اور کالم نگار ہیں

آہ!!! متین فکریؒ بھی چلے گئے

شیخ محمد امین

قبلہ متین فکریؒ...... یہ وہ نام ہے جس سے میرا رشتہ الفت اور عقیدت کا تھا۔ یہ رشتہ آج نہیں بلکہ دہائیوں پر محیط ایک طویل سفر کا ہمسفر تھا۔ 1980 اور 1990 کی دہائیوں میں ریڈیو پاکستان سے نشر ہونے والے حالات حاضرہ کے تبصرے میری روزانہ کی روحانی غذا ہوا کرتے تھے۔ رات 9 بجے خبروں کے بعد جب سنانے والا آخر میں مودبانہ لہجے میں کہتا، تبصرہ آپ نے سنا، تحریر...... متین فکری، تو دل کے کسی گوشے میں ایک حرارت، ایک انسیت جاگ اٹھتی۔ اسی وقت سے یہ خواہش دل میں مچلتی کہ کاش کبھی اس صاحب قلم سے روبرو ہمکلام ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری یہ خواہش ایک بڑے امتحان اور آزمائش کو دعوت دینے کے مترادف تھی۔ ایک ایسی خواہش جس کی تکمیل کا وقت آنے والا تھا۔ 2000 کا وہ لمحہ جس نے زندگی بدل دی۔ مجھے میرے وطن، جنت نظیر کشمیر کو چھوڑ کر پاکستان میں ایک مہاجر کی حیثیت سے آنا اور رہنا پڑا۔ چونکہ قلم اور کاغذ سے ہی واسطہ رہا تھا یہاں بھی اسی قلم اور کاغذ کے ساتھ تعلق رکھا۔ کشمیر میڈیا سنٹر کے سربراہ کی حیثیت سے کام ملا۔ ہم ایک نئے ماہنامے "کشمیر الیوم" کے اجرا کا فیصلہ کر چکے تھے اور ہمیں ایک ایسے ماہر، دیانتدار اور درد دل رکھنے والے صحافی کی ضرورت تھی جو تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے باخبر بھی ہو اور اس جدوجہد کے ساتھ قلبی وابستگی بھی رکھتا ہو۔

جولائی 2003 میں اچانک مرحوم پروفیسر شال صاحب کے ساتھ ایک بزرگ ہمارے میڈیا آفس تشریف لائے۔ شال

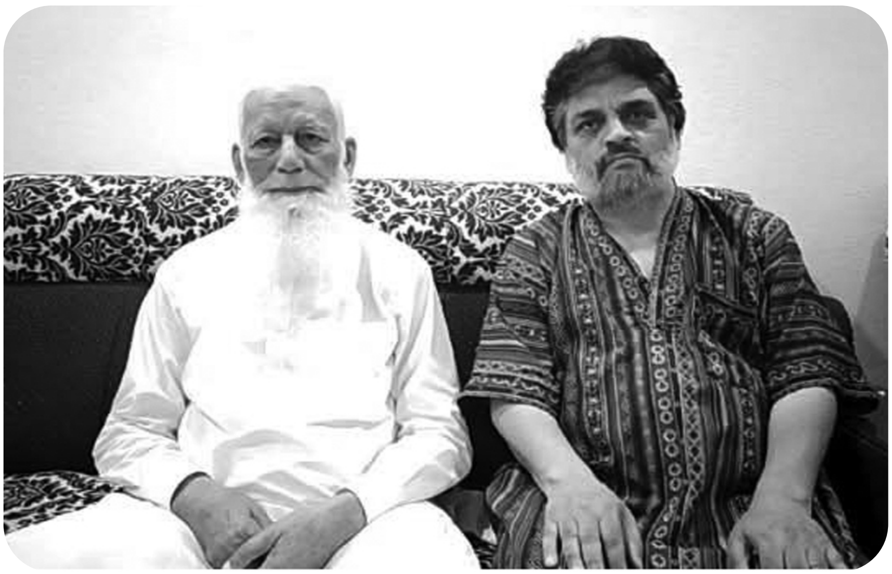

صاحب نے ان بزرگ کا تعارف کرایا کہ یہ متین فکری صاحب ہیں، پاکستان کے سب سے بڑے اخبار جنگ سے بحیثیت نیوز ایڈیٹر ریٹائر ہو گئے ہیں۔ یہ جنگ کی ادارتی ٹیم میں بھی شامل تھےؒ۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا یہ وہی شخصیت ہیں جنہیں دیکھنے اور ملنے کی آرزو برسوں سے دل میں رکھے بیٹھا تھا، اور آج اللہ نے اسے یوں پورا کر دیا۔ میری آنکھیں فرط جذبات سے نم ہو گئیں۔ متین صاحب نے گلے لگایا، ماتھے پر بوسہ دیا۔ محبت و انسیت کی ہماری کہانی یہاں سے باقاعدہ شروع ہوئی۔

2004 میں ماہنامہ "کشمیر الیوم" کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ متین فکریؒ اس کے بانی مدیر بنے اور اگلے 6 سال تک اس مجلے کو اپنی محنت، دیانت، علم اور تجربے سے ایک ایسا وقار عطا کیا جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ ہر اداریہ ایک شاہکار ہوتا تھا۔ وہ لکھتے تو لگتا تھا کہ جیسے خون جگر لکھی ہوئی تحریریں ہیں۔ پورے پاکستان سے بڑے بڑے صحافی ان سے ملنے کیلئے آتے، اس طرح نہ صرف کشمیر کے حالات سے باخبر ہوتے بلکہ پھر وہ خود بھی ہمارے میڈیا سنٹر اور ماہنامہ کشمیر الیوم کا حصہ بنتے گئے۔ عمر ڈھلنے اور صحت کے مسائل کے باوجود وہ کبھی تھکتے نہ تھے۔ تاہم جب انہیں اسلام آباد سے کہوٹہ رہائش کے سلسلے میں اپنے افراد خانہ کے ساتھ منتقل ہونا پڑا تو وہ ادارتی ذمہ داریوں سے الگ ہو گئے، مگر الحمد للہ تعلق ٹوٹا نہیں۔ وہ لکھتے رہے، مشورے دیتے رہے، اور ہر لمحہ ہماری رہنمائی کرتے رہے۔

جناب متین فکری صرف صحافی نہیں تھے بلکہ مصنف، شاعر، ادیب، مفکر، دانشور، محقق بھی تھے۔ بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ عاشق رسول ﷺ تھے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا اسم مبارک سنتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ وہ سید مودودیؒ کو اپنا استاد

> مفکر، دانشور، محقق بھی تھے۔ بہت کم لوگ جانتے ہوں گے کہ وہ عاشق رسول ﷺ تھے۔ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کا اسم مبارک سنتے ہی ان کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔ وہ سید مودودیؒ کو اپنا استاد اور امام سمجھتے تھے۔ سید علی گیلانیؒ سے بھی ان کی محبت بے مثال تھی، ایسی محبت کہ گیلانی صاحب سے جب فون پر بات کرتے تو جوش محبت میں کئی بار ان کی آنکھیں تر ہو جاتیں۔ کشمیری مجاہدین کے لیے باپ جیسا دل رکھتے تھے۔ جب بھی کسی نوجوان کی شہادت کی خبر آتی، وہ بچوں کی طرح رو پڑتے۔

متین فکریؒ کے جانے سے تحریک آزادی کشمیر ایک ایسے سچے اور مخلص رہنما سے محروم ہوگئی جس نے اپنی پوری زندگی قلم کی صورت جہاد میں گزاری۔ آخری بار جب ان سے ملا، وہ کے آر ایل ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے وارڈ میں تھے۔ جسم کمزور، سانس پھولی ہوئی، لیکن آنکھیں وہی چمکتی ہوئیں۔ میں ان کے بیڈ کے پاس کھڑا ہوا، ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ان کے اکلوتے بیٹے محمد مالک صاحب اس واقعے کے گواہ ہیں کہ مجھے دیکھ کر انہوں نے پہلے اپنا ماسک اتارا اور نحیف آواز میں پہلے مجھ سے خیر و عافیت پوچھی پھر نہ صرف مجھے بلکہ ہر مظلوم کشمیری کی بے بسی اور بے کسی سے نجات کی دعا کی

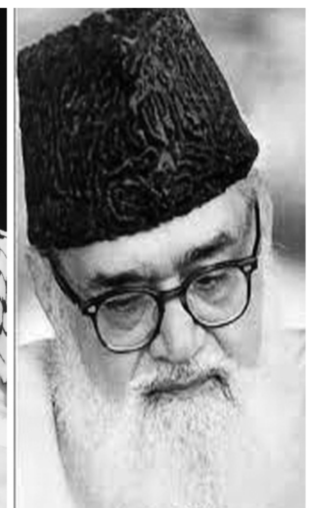

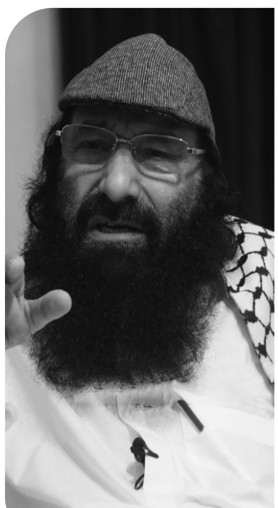

اور امام سمجھتے تھے۔ سید علی گیلانیؒ سے بھی ان کی محبت بے مثال تھی، ایسی محبت کہ گیلانی صاحب سے جب فون پر بات کرتے تو جوش محبت میں کئی بار ان کی آنکھیں تر ہو جاتیں۔ کشمیری مجاہدین کے لیے باپ جیسا دل رکھتے تھے۔ جب بھی کسی نوجوان کی شہادت کی خبر آتی، وہ بچوں کی طرح رو پڑتے۔ ان کا وجود ہی ایک مسلسل درد، محبت اور اخلاص کا پیکر تھا۔ میرا ان سے تعلق صرف صحافتی یا فکری نہیں تھا۔ وہ میرے گھر کے بزرگ تھے، میرے بچوں کے لیے دادا اور نانا کی سی شفقت رکھنے والے مہربان تھے۔ سال میں ایک دو بار ضرور ہمارے گھر آتے، بچوں کو پیار کرتے، دعائیں دیتے، انہیں گود میں بٹھاتے، سر پر ہاتھ پھیرتے، دعائیں دیتے تھے۔ آج جب وہ چلے گئے تو میرے بچوں نے دادا اور نانا کھو دیا، میں نے اپنا استاد اور مربی کھو دیا، اور تحریک آزادی کشمیر نے اپنا سب سے سچا، سب سے مخلص اور سب سے دردمند قلمکار کھو دیا۔۔ ہاں سو فیصد درست کہہ رہا ہوں کہ متین فکریؒ کے جانے سے تحریک آزادی کشمیر ایک ایسے سچے اور مخلص رہنما سے محروم ہوگئی جس نے اپنی پوری زندگی قلم کی صورت جہاد میں گزاری۔ آخری بار جب ان سے ملا، وہ کے آر ایل ہسپتال کے انتہائی نگہداشت والے وارڈ میں تھے۔ جسم کمزور، سانس پھولی ہوئی، لیکن آنکھیں وہی چمکتی ہوئیں۔ میں ان کے بیڈ کے پاس کھڑا ہوا، ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ان کے اکلوتے بیٹے محمد مالک صاحب اس واقعے کے گواہ ہیں کہ مجھے دیکھ کر انہوں نے پہلے اپنا ماسک اتارا اور نحیف آواز میں پہلے مجھ سے خیر و عافیت پوچھی پھر نہ صرف مجھے بلکہ ہر مظلوم کشمیری کی بے بسی اور بے کسی سے نجات کی دعا کی۔ 24 نومبر اطلاع ملی کہ وہ اس موت کا جام پی چکے ہیں۔ کچھ لمحات تک مجھ پہ سکتہ سا طاری ہوا۔ آنکھیں نم ہوئیں۔ پھر یہی یاد آیا کہ کہ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور دائمی زندگی کی طرف پلٹنا ہے متین صاحب بھی دائمی زندگی کی طرف پلٹ گئے۔ ان شا اللہ دائمی زندگی اختیار کرنے کے بعد ان سے ضرور ملاقات ہوگی۔ ان کی وفات پر حزب سربراہ اور متحدہ جہاد کونسل کے چیرمین سید صلاح الدین احمد نے شاندار خراج عقیدت ادا کرتے ہوئے کہا کہ متین فکریؒ تحریک آزادی کشمیر کے ایک ایسے مخلص ترجمان تھے جنہوں نے قلم کو جہاد کا ہتھیار بنایا اور پوری زندگی حق و صداقت کے پرچم کو سربلند رکھا۔ مرحوم نہایت باوقار، باکردار، نیک سیرت، عبادت گزار انسان تھے۔ انہوں نے علمی، فکری اور صحافتی محاذ پر جس استقامت اور اخلاص سے خدمات انجام دیں، وہ تاریخ کا قابل فخر حصہ ہیں۔ مرحوم متین فکری کی فکر کو کسی بھی صورت بھلایا نہیں جائیگا۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس مرد مومن، اس عاشق رسول اور بے لوث انسان کے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے، جناب نبی اکرم ﷺ کے قرب میں جگہ عطا فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

متین فکریؒ مرحوم: مودودیؒ کی حکمت کا وارث، سید علی گیلانیؒ کی غیرت کا امین

قلمی جہاد کے اس شہسوار کی داستان جو حرف کو حریت بنا گیا

متین فکریؒ درد کشمیر کے اوراق میں ابدی طور پر ثبت ہونے والا نام تھا

اگر کوئی پوچھے کہ متین فکریؒ کی تحریروں کا سب سے مرکزی موضوع کیا تھا، تو ایک ہی جواب دیا جاسکتا ہے۔۔۔کشمیر

سید عمر اویس گردیزی

فضائے امکان کی ان بے کراں وادیوں میں، جہاں صدیوں کے الم کی دھند آسمان کے رخسار پر پڑی رہتی ہے، اور جہاں وقت کے شکستہ اوراق پر شہیدوں کے لہو نے اپنے رنگ دوام کی مہریں ثبت کر رکھی ہیں، وہاں ایک ایسی صدا بسی ہوئی ہے جو نہ مکمل خاموشی ہے اور نہ پوری آواز، بس ایک لرزاں ارتعاش، جو تاریخ کے سینے میں چھپی ہوئی صبر آزما آزمائشوں کی زنجیروں کو جنبش دیتی رہتی ہے۔ یہ صدا، جسے نہ پہاڑ روک سکے، نہ دریا ڈبو سکے، اور نہ ہی کسی قوت کے سفاک چرچے اسے دھندلا سکے، دراصل اس قلم کی نوک سے پھوٹی ہے جو کشمیری مظلومیت کے آنسوؤں سے تر رہتی تھی، اور جس کے ہر لفظ میں جہاد کی سچّی تڑپ ایک مخفی آگ کی طرح دہکتی تھی۔ یہ آج کی میری تحریر، اس عہدِ شکستہ کی دہلیز پر کھڑی ہے جہاں قوموں کی تاریخیں اپنے سائے آپ سے جدا کر کے چل پڑتی ہیں۔ مگر اس وادیِ غم میں ایک ایسا چراغ بھی ہمیشہ جلتا رہا ہے جس کی لو نہ ہوا کی بدنیتی سے بجھی، نہ زمانوں کی بے رحم گردش سے لرزی۔ اس لو نے اپنی حرارت سے دلوں کو گرمایا، اور اپنی روشنی سے نسلوں کی بینائی بچائے

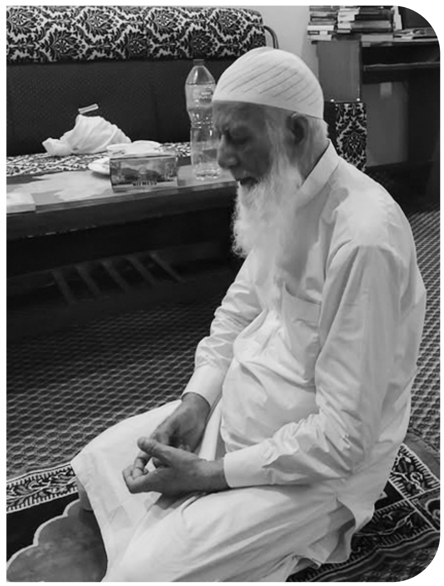

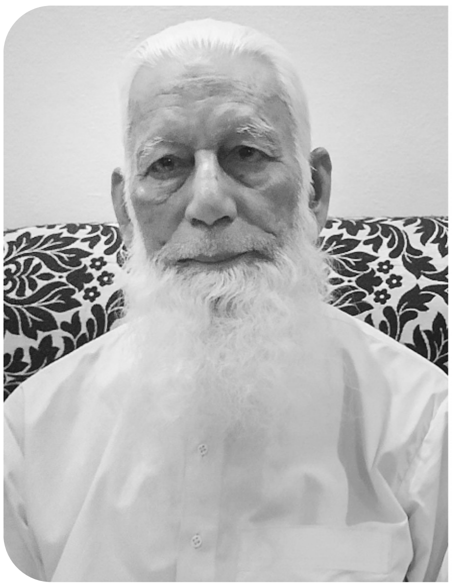

رکھی۔ وہ لو کسی ہاتھ کی اسیر نہ تھی؛ وہ ایک فکر، ایک وجدان، ایک جذباتی امانت تھی، جو آزادی کی گونجتی وادیوں میں، صبر و ثبات کے اوراق پر حرفِ آخر کی صورت جھلملاتی رہی۔ یہ وہ روحیں ہوتی ہیں جن کے سینوں میں ابدی صدا حریت اپنے آپ کو منقش کرتی ہے، جن کے قلموں میں وادی کشمیر کے مظلوموں کی سسکیاں روشنائی بن کر بہتی ہیں، اور جن کی فکر میں جہادِ زندہ کا وہ الاؤ دہکتا رہتا ہے جو بندوق سے نہیں، لفظ سے لڑتا ہے۔

جب صدیوں کا ظلم اپنے سیاہ پردے تانے بیٹھا ہو، جب پہاڑوں کے پیچھے چھپے ہوئے گاؤں میں ماؤں کی چیخیں تاریخ کے کوائف میں جذب ہونے سے انکار کر رہی ہوں، جب دریائے جہلم کے پانی میں شہیدوں کا لہو اپنی لکیریں کھینچ رہا ہو، اور جب سری نگر کی اداس شامیں گواہی دے رہی ہوں کہ جبر کی

> اگر کوئی پوچھے کہ متین فکریؒ کی تحریروں کا سب سے مرکزی موضوع کیا تھا، تو ایک ہی جواب دیا جاسکتا ہے۔۔۔کشمیر، تحریک آزادی کشمیر ان کے لیے ایک سیاسی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ ان کے لیے ایک دینی ذمہ داری تھی۔ ایک اخلاقی فریضہ تھا۔ ایک تہذیبی جنگ تھی۔ ایک انسانی کارواں تھا۔ ان کی تحریروں میں کشمیر کا دکھ صرف دکھ نہیں ہوتا تھا، وہ ایک طوفان ہوتا تھا، ایک للکار ہوتی تھی، ایک صدائے احتجاج ہوتی تھی، ایک نوحۂ عصر ہوتا تھا، ایک تجدید عہد ہوتی تھی۔ وہ کشمیر پر لکھ کر محض قلم نہیں چلاتے تھے، وہ ہر سطر میں اپنا دل رکھ دیتے تھے۔ ان کے نزدیک کشمیر ایک جغرافیائی تنازع نہیں، بلکہ امت کی غیرت کا آخری قلعہ تھا۔

راتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، تب کہیں کسی کونے میں ایک ایسا قلم اٹھتا ہے جو خاموشیوں کو چیر کر وہ صدائیں پیدا کر دیتا ہے جنہیں گرنے میں صدیوں لگتی ہے۔ اسی قلم کا ایک قطرہ کبھی کبھی اس دنیا میں ایک ایسا آدمی تراشتا ہے جس کے حروف چنگاری، جس کے جملے اقبال کی صدیوں سے لپٹی ہوئی دعا، اور جس کے مضامین سید علی شاہ گیلانیؒ کی اذیت زدہ مگر پُرعزم نگاہوں کی بازگشت معلوم ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی تحریروں میں کشمیر کی کوکھ میں جلنے والے گھروں کا دھواں بھی شامل ہوتا ہے اور آزادی کے خواب دیکھنے والے نوجوانوں کی سانسیں بھی۔ ان کے قلم کے وار تلوار سے زیادہ کاری ہوتے ہیں۔ ان کے الفاظ کی مار توپ کے دھماکے سے زیادہ گونجدار ہوتی ہے۔ ان کی تحریروں میں وہ آنسو پوشیدہ ہوتے ہیں جو کبھی ماں کی آنکھ سے گرتے ہیں، اور وہ آہیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو کبھی کسی مظلوم باپ کی خاموش چیخ میں بدل جاتی ہیں۔

میری صحافتی، فکری، اور ادبی زندگی پر اگر کسی کا سب سے گہرا اثر رہا ہے، تو وہ متین فکریؒ جیسے عظیم ادیبوں کی تحریریں ہیں۔ میں نے اپنی بچپن کی پہلی شعوری قرأت جن مصنفین و ادیبوں کے کالموں سے شروع کی، ان میں ایک نام متین فکری کا بھی تھا، میں نے اخبار کی دنیا میں پہلا ذوق انہی عظیم شخصیات کے الفاظ سے چکھا۔ میں نے ادب میں پہلی بار سچائی کی خوشبو انہی کے مضامین سے سونگھی۔ میں نے کشمیر کا درد پہلی بار انہی کے اندازِ بیان سے محسوس کیا۔ ان کی تحریریں میرے لیے محض معلومات کا ذریعہ نہ تھیں، وہ میرے اندر ایک نئی دنیا آباد کرنے والا دروازہ تھیں۔

وقت کے سمندر نے بارہا دیکھا ہے کہ جب بندوقیں خاموش ہو جائیں، جب تحریکیں منتشر ہو جائیں، جب نسلیں بدل جائیں، تب بھی قلمی جہاد کی ایک تحریر زندہ رہتی ہے، کیونکہ وہ کاغذ پر نہیں لکھی جاتی، وہ دلوں کی نالیوں میں اتر کر انسان کی اجتماعی روح پر نقش ہو جاتی ہے۔ اور انہی گہرے، بے کراں اور صدیوں پھیلے ہوئے معانی کے پس منظر میں ہم ایک ایسے مردِ دانا کی یاد میں یہ ابتدائیہ رقم کر رہے ہیں، ایک ایسا کوہ دانش جس کی تحریروں سے میں بچپن سے روشنی کشید کرتا آیا، جس کے حرف میرے شعور کی تربیت کرتے رہے، جس کی تحریر میرا پہلا مکتبِ فکر تھی اور آخری سہارا بھی۔ وہی مردِ دانا، جس کے قلم میں کشمیر کی چیخیں گونجتی تھیں، جس کے دل میں جہادِ کشمیر کی حرارت سلگتی تھی، اور جس کا نام تاریخ نے متین فکری کے عنوان سے محفوظ کر رکھا تھا۔

زمانوں کے افق پر کچھ نام ایسے ابھرتے ہیں جن کے ڈوب جانے سے فقط ایک سایہ یا ایک شخص نہیں اٹھتا، بلکہ گویا فکر و دانش کی پوری کہکشاں ایک لمحے کو ٹھٹھک کر رہ جاتی ہے۔ لفظ اپنے وزن کھو بیٹھتے ہیں، سطریں سوگوار ہو جاتی ہیں، قرطاس کے رگ و پے میں ایک انجانا سا بوجھ اتر آتا ہے۔ متین فکریؒ کا وصال بھی انہی سانحات میں سے ایک ہے، وہ سانحہ جس نے نہ صرف صحافت کی دنیا میں خلا پیدا کیا، بلکہ ادبیات، فکریات، اور جہادِ کشمیر کی تحریری دنیا میں ایک ایسا رخنہ چھوڑ دیا جو شاید زمانوں تک پر نہیں ہو سکے گا۔ اسلام آباد کے H-11 قبرستان کی مٹی نے اگرچہ ان کے جسم کو تھام لیا، مگر تاریخ کے صفحات اس شخص کو کبھی سپردِ خزاں نہیں کر سکتے۔ ان کی نوکِ قلم کی حدت، ان کے دلِ دردمند کی دھڑکن، ان کی زبانِ حق گو کی سلاست، یہ سب کچھ آج بھی ہمارے اندر ایسی ہی زندگی کے ساتھ سانس لے رہا ہے جیسا ان کی حیات میں تھا۔ ان کی نمازِ جنازہ میں شریک ہر آنکھ، ہر لب، ہر دل، اس بات کا گواہ تھا کہ متین فکری کا جانا کسی فرد کا جانا نہیں تھا، وہ ایک عہد کا خاتمہ تھا، وہ ایک فکر کا مرقد تھا، وہ ایک کارواں کے سالار کا سفرِ آخرت پر روانہ ہونا تھا۔ صحافی، شاعر، ادیب، مفکر، تجزیہ کار، مجاہدِ قلم، وہ ہر روپ میں اپنے زمانے پر پوری طرح چھائے ہوئے تھے۔ ان کی فکری نسب کی شجریں دیکھی جائیں تو مرحوم متین فکریؒ مودودیؒ کی فکری سلطنت اور گیلانیؒ کے جہاد کے وارث تھے۔

متین فکریؒ کے فکری پس منظر کی بنیادیں محض صحافتی تجربے پر نہیں رکھی گئیں؛ بلکہ ان کی علمی شخصیت کے خدوخال سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی دانش گاہ میں تیار ہوئے۔ ان کے نزدیک مودودیؒ محض ایک مفکر یا مصلح نہ تھے، بلکہ وہ ایک ایسا فکری

ان کی عظمت صرف قلم تک محدود نہ تھی۔ وہ انسان بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ نرم مزاج، بردبار، شریف النفس، دردمند، مشفق۔ بڑے سے بڑا اختلاف بھی ان کے چہرے کی مسکراہٹ کو بجھا نہیں سکتا تھا۔ زندگی بھر وہ سادگی میں رہے۔ دکھ، درد، اور جدوجہد ان کا سرمایہ تھا۔ انہیں عہدوں کی چمک نے کبھی متاثر نہیں کیا۔ انہیں جھوٹی تعریفوں نے کبھی اپنی حدود سے باہر نہیں کیا۔ وہ ایک درویش صحافی تھے، درد کو اوڑھ کر جینے والے۔ کشمیر کی تاریخ میں جن اہلِ قلم نے اس تحریک کو نظریاتی اور ادبی بنیاد فراہم کی، ان میں متین فکریؒ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا

مینار تھے جو صدیوں تک آنے والے اذہان کے لیے روشنی کا ذریعہ رہیں گے۔ متین فکریؒ کی تحریروں میں سید مودودیؒ کی تفسیر، ان کا استدلال، ان کی تہذیبی سچائیاں، ان کا فکری وقار، یہ سب کچھ بعینہٖ جھلکتا تھا۔ اسی طرح سید علی شاہ گیلانیؒ کے ساتھ ان کی قربت نے ان کے دل کو کشمیر کے آنسوؤں کے ساتھ یوں جوڑ دیا کہ پھر ان کی تحریریں کشمیر کے دکھ کی شہادت بن گئیں۔ وہ محض لکھتے نہ تھے، وہ کشمیر کے ہر جری مجاہد کے دل کی دھڑکن کو کاغذ پر منتقل کرتے تھے۔ وہ کشمیر کے حریت پسندوں کے خوابوں کو لفظ کی روشنی دیتے تھے۔ وہ کشمیر کے لہو سے لکھی گئی تاریخ کو آئندہ نسلوں تک پہنچانے والے قلمی سپاہی تھے۔ یہاں، اس سرزمین کرب و کوہسار میں، جہاں بچوں کی ہچکیوں میں سکیوں کی تاریخ لکھی جاتی ہے، اور ماؤں کے آنچلوں میں صبر کی چٹانیں پلتی ہیں، ایک ایسے قلم کی شہرت بھی سانس لیتی رہی ہے جس نے جہادِ کشمیر کو محض ایک نعرہ نہیں، بلکہ ایک فکری ذمہ داری، ایک تہذیبی قرض اور ایک روحانی فرض کے طور پر پیش کیا۔ اُس قلم نے کوئی تلوار نہیں چلائی؛ مگر اس کی سطریں تلوار کی دھار سے زیادہ کربناک، نیزے کی نوک سے زیادہ بے باک، اور کسی بھی سلطانی بیانیے سے زیادہ سچی تھیں۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ متین فکریؒ کی شخصیت دو عظیم فکری شخصیات کے دو گراں قدر عطیات پر قائم تھی۔ سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی عقل اور گیلانیؒ کا عشق۔ متین فکریؒ کی زندگی کا آغاز ایسا تھا کہ انہوں نے صحافت کی خاک میں وہ مشعل روشن کی جس نے کئی نسلوں کو راہ دکھائی۔ متین فکریؒ کی صحافت کا آغاز ہفت روزہ ایشیا میں نائب مدیر کی حیثیت سے ہوا۔ یہ محض ایک پیشہ ورانہ منصب نہ تھا، بلکہ ان کے فکری سفر کا وہ پہلا دروازہ تھا جہاں سے ان کی شخصیت کے کئی جہان کھلے۔ تقریباً دس سال تک وہ اس

جریدے سے وابستہ رہے، اور انہی سالوں نے ان کے اندر وہ حرارت، وہ مشاہدہ، وہ فہم زمانہ پیدا کیا جو بعد میں ان کے پورے صحافتی سفر کا سرمایہ بنا۔ پھر وہ وقت آیا جب وہ روزنامہ جنگ راولپنڈی کے ساتھ منسلک ہوئے، وہ ادارہ جو پاکستان کی صحافت کا سب سے بڑا مدرسہ بھی ہے اور امتحان گاہ بھی۔

جنگ میں انہوں نے صرف خبر نہیں لکھی، انہوں نے خبر کو معنی دیا، انہوں نے تجربے کو روح دی، انہوں نے کالم کو شعور دیا۔ نیوز ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری محض صفحات کی ترتیب تک محدود نہ تھی۔ وہ ادارتی پہیے کے وہ ستون تھے جن پر پورا ادارہ کھڑا تھا۔ ان کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا، ان کی رائے سب سے معتبر، ان کا مشاہدہ سب سے گہرا، ان کا تجزیہ سب سے وزنی۔ روزنامہ جنگ سے ریٹائرمنٹ کے بعد ان کی محبت اور نسبت ماہنامہ کشمیر الیوم کی دھڑکن میں شامل رہی۔ ان کے کالم، ان کے مضامین، ان کے تحقیقی بیانات، یہ سب کچھ اس رسالے کے علمی قد کا حصہ بن گئے۔ ساتھ ہی ساتھ جسارت، جہاد کشمیر اور کئی دیگر ادبی و فکری جرائد میں بھی وہ مسلسل لکھتے رہے۔ ان کا قلم کبھی رکا نہیں۔ ان کی سوچ کبھی کمزور نہیں پڑی۔ وہ آخری سانس تک قلم کے مجاہد رہے۔ کشمیر کا موضوع، وہاں کے ظلم و ستم پر قلمی جہاد ان کی تحریروں کا دل، ان کی فکر کی شہ رگ، ان کی زندگی کی اذان تھا، اگر کوئی پوچھے کہ متین فکریؒ کی تحریروں کا سب سے مرکزی موضوع کیا تھا، تو ایک ہی جواب دیا جاسکتا ہے۔۔۔ کشمیر، تحریک آزادی کشمیر ان کے لیے ایک سیاسی مسئلہ نہیں تھا۔ یہ ان کے لیے ایک دینی ذمہ داری تھی۔ ایک اخلاقی فریضہ تھا۔ ایک تہذیبی جنگ تھی۔ ایک انسانی کارواں تھا۔ ان کی تحریروں میں کشمیر کا دکھ صرف دکھ نہیں ہوتا تھا، وہ ایک طوفان ہوتا تھا، ایک للکار ہوتی تھی، ایک صدائے احتجاج ہوتی تھی، ایک نوحۂ عصر ہوتا تھا، ایک تجدید عہد ہوتی تھی۔ وہ کشمیر پر لکھ کر محض قلم نہیں چلاتے تھے، وہ ہر سطر میں اپنا دل رکھ دیتے تھے۔ ان کے نزدیک کشمیر ایک جغرافیائی تنازع نہیں، بلکہ امت کی

غیرت کا آخری قلعہ تھا۔ ان کی تحریریں زندہ جہاد کی مانند تھیں۔ ان میں وہی حرارت تھی، وہی غیرت، وہی صدق، وہی عزم۔ یہ کہنا کہ متین فکریؒ کو فکری آگاہی میں ایک خاص مقام حاصل تھا، درحقیقت ان کے مقام کا ایک ابتدائی تعارف ہے۔

وہ محض دانشور نہ تھے، وہ صاحب نظر تھے۔ زمانے کے دھاروں کو پہچاننے والے، تہذیبوں کے تصادم کو سمجھنے والے، عالمی سیاست کے باطن کو پڑھنے والے، اور معاشرتی تضادات کے اندر چھپی حقیقتیں کھوج نکالنے والے۔ ان کے نزدیک صحافت صرف رپورٹنگ کا نام نہیں تھی، بلکہ یہ ایک تہذیبی مشن تھی۔ ان کے نزدیک تحریر صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں تھی، بلکہ یہ ایک امانت تھی۔ یہاں میں یہ اعتراف کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا کہ میری صحافتی، فکری، اور ادبی زندگی پر اگر کسی کا سب سے گہرا اثر رہا ہے، تو وہ متین فکریؒ جیسے عظیم ادیبوں کی تحریریں ہیں۔ میں نے اپنی بچپن کی پہلی شعوری قرأت جن مصنفین و ادیبوں کے کالموں سے شروع کی، ان میں ایک نام متین فکری کا بھی تھا، میں نے اخبار کی دنیا میں پہلا ذوق انہی عظیم شخصیات کے الفاظ سے چکھا۔ میں نے ادب میں پہلی بار سچائی کی خوشبو انہی کے مضامین سے سونگھی۔ میں نے کشمیر کا درد پہلی بار انہی کے اندازِ بیان سے محسوس کیا۔ ان کی تحریریں میرے لیے محض معلومات کا ذریعہ نہ تھیں، وہ میرے اندر ایک نئی دنیا آباد کرنے والا دروازہ تھیں۔ میں آج بھی جب کوئی ادبی جملہ لکھتا ہوں، تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں وہی عظیم استاد میرے قلم کو تھام کر راستہ دکھا رہا ہے۔ ان کا شمار ہمیشہ میرے سب سے پسندیدہ مصنفین، کالم نگاروں اور اہلِ قلم میں ہوتا رہا۔ ان کا جملہ، ان کی تراکیب، ان کا فکری وزن، یہ سب کچھ میں نے اپنے لیے قابل تقلید نمونہ سمجھا۔ تحریروں کا اسلوب ایسا تھا کہ جس میں کلاسیکی نزاکت بھی تھی اور جہادی حرارت بھی، ان کی زبان میں ایک عجیب امتزاج تھا، کلاسیکی اردو کی فصاحت بھی، قدیم محاوروں کی مہک بھی، عصر حاضر کی تیزی بھی، اور تحریکی لہجے کی صلابت بھی۔ ان کے جملے سیدھے دل پر اترتے تھے۔ ان کی سطریں قاری کے اندر ایک طوفان بپا کر دیتی تھیں۔ ان کا ہر لفظ ایک صدی کے برابر ہوتا تھا۔ وہ لکھتے نہیں تھے، وہ تاریخ رقم کرتے تھے۔

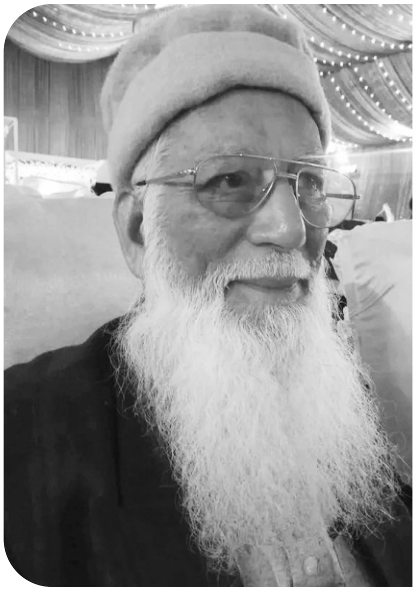

ان کی عظمت صرف قلم تک محدود نہ تھی۔ وہ انسان بھی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ نرم مزاج، بردبار، شریف النفس، دردمند، مشفق۔ بڑے سے بڑا اختلاف بھی ان کے چہرے کی مسکراہٹ کو بجھا نہیں سکتا تھا۔ زندگی بھر وہ سادگی میں رہے۔ دکھ، درد، اور جدوجہد ان کا سرمایہ تھا۔ انہیں عہدوں کی چمک نے کبھی متاثر نہیں کیا۔ انہیں جھوٹی تعریفوں نے کبھی اپنی حدود سے باہر نہیں کیا۔ وہ ایک درویش صحافی تھے، درد کو اوڑھ کر جینے والے۔ کشمیر کی تاریخ میں جن اہلِ قلم نے اس تحریک کو نظریاتی اور ادبی بنیاد فراہم کی، ان میں متین فکریؒ کا نام ہمیشہ سرفہرست رہے گا۔ وہ اس دور میں بھی لکھتے رہے جب لکھنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ وہ اس وقت بھی آواز بنتے رہے جب آواز کو خاموش رکھنا ہی دانش مندی شمار ہوتا تھا۔ ان کی تحریریں آج بھی تحریکِ آزادی کشمیر کی فکری اساس ہیں، کل بھی رہیں گی، آئندہ نسلوں تک رہیں گی۔ ان کے جانے سے جو خلا پیدا ہوا، وہ ہمیشہ رہے گا، ادب کی دنیا ایسے لوگوں سے آباد رہتی ہے، لیکن جب وہ اٹھ جاتے ہیں تو صدیوں تک ان کی جگہ خالی رہتی ہے۔ متین فکریؒ کی رحلت کا خلا صحافت میں بھی، ادیبوں میں بھی، فکر کے میدان میں بھی، اور کشمیر کے محاذ پر بھی، کبھی پر نہیں ہو سکے گا۔

متین فکریؒ ایک عہد کا نام ہیں، اور عہد کبھی مر نہیں جاتے، مٹی ان کے جسم کو تھام سکتی ہے۔ آج جب کہ وہ صاحب بینش اپنی خامہ فرسائی کی آخری سطر لکھ کر عدم کی خاموش وادیوں میں اتر چکے ہیں، تو لفظ بھی اپنے آپ کو یتیم سا محسوس کرتے ہیں اور معانی بھی اجڑتے ہوئے آستانوں کی طرح سنسان دکھائی دیتے ہیں، مگر اس کے باوجود یہ یقین ہمیں سہارا دیتا ہے کہ ان کے بصیرت افروز افکار اور حرفِ صداقت کی وہ شمعیں، جو انہوں نے نصف صدی تک ملت مظلومہ کی رہنمائی کیلئے روشن رکھیں، تا ابد بجھنے والی نہیں، بلکہ نسلوں کے اذہان میں ایک ابدی منارۂ ہدایت کی طرح فروزاں رہیں گی۔ رب کریم سے یہ دعا ہے کہ اس مردِ حر کے مرقد کو اپنی رحمتوں کی شبنم سے معطر رکھے، اسے جنت الفردوس کے باغات میں وہ رفعتیں عطا فرمائے جہاں اہل اخلاص کو قرار ملتا ہے، اور ہم اہل پسماندہ کو توفیق دے کہ ان کے چھوڑے ہوئے فکری ورثے کو صبر، حکمت اور جہادِ قلم کی اسی روشنی کے ساتھ آگے بڑھا سکیں بے شک ایسے چراغ مٹی میں سو نہیں جاتے، وہ زمانوں کے سینوں میں دھڑکتے رہتے ہیں۔

درویش خدا مست۔۔۔متین فکریؒ

قیصر یعقوب

24نومبر کو اسلام آباد کے ایچ ایون قبرستان سے ایک عظیم انسان اور عظیم صحافی متین فکری کا جنازہ پڑھ کر واپس آرہا تھا ۔راستے میں دوست حضرات آپس میں ان کی صحافتی زندگی پر گفتگو کررہے تھے ،میں ان کی یادوں میں کہیں کھویا ہوا تھا،دیر تک ان کے جنازے کا منظر آنکھوں کے سامنے بار بار آرہا تھا ،ان کا آخری دیدار آنکھوں سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا،رات گئے تک نیند کے غلبہ کے باوجود نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی کہ ہرلمحہ ان کی جدائی ،دکھ اورغم میں گزر رہی تھی ۔اس دوران میرے دماغ پر ایک ہی چیز حاوی رہی اور وہ پہلی ملاقات کا منظر یاد آرہا تھا جب 2006 مجھے ماہنامہ کشمیرالیوم کے دفتر میں ان سے ملنے کا اور کام کرنے کا موقعہ ملا تھا،مرحوم متین فکری اس وقت ”ماہنامہ کشمیرالیوم“جومظلوم کشمیری قوم کا ترجمان ہے کے مدیر اور محمد شہباز وانی اس ادارے کے منتظم اعلیٰ تھے ۔مجھے پتہ تھا کہ میں ایسی شخصیت سے ملاقی ہورہا ہوں جس کا نام میں نے نوے کی دہائی کے آغاز میں ریڈیو پاکستان سے سنا تھا جب ان کے جاندار،شاندار اور معیاری تبصرے ریڈیو پاکستان سے نشر ہوتے تھے،یہ وہ دور تھا جب تحریک آزادی کشمیر زوروں پر تھی اور کشمیر میں مسلح جدوجہد کا آغاز ہوچکا تھا،ان دنوں بھارت کے پروپیگنڈوں کا منہ توڑ جواب تبصروں کی صورت میں سننے کو ملتا تھا وہ متین فکری کے ہی لکھے ہوا کرتے تھے جنہیں مسلسل پیش کیا جاتا تھا۔یہ تبصرے کئی دہائیوں تک جاری رہے۔

ادارہ کشمیرالیوم کے دفتر میں متین فکری صاحب کے ڈیسک کے ساتھ وابستہ رہا،ان کے ٹیبل کے بالکل سامنے بیٹھا کرتا تھا،چونکہ میں صحافت کے ”ابجد“سے بھی واقف نہیں تھا،متین صاحب بزرگ ہونے کے ناطے اور ہاتھ سے لکھنے میں انہیں تھوڑی سی دشواری پیش آتی تھی تو مجھے کہتے تھے ”نوجوان“ قلم اٹھا اور جو کچھ میں املا کرتا ہوں اسے لکھتے جاؤ،یہ میرا پہلا مرحلہ تھا اور وہ ڈکٹیٹ کرتے رہتے اور میں لکھتا جاتا،مجھے یاد ہے جب بھی کوئی لفظ ”ح“اور ”ہ“ سے آتا تو وہ دہراتے کہ حلوے والی ح اور ہاتھی والی ہ،تاکہ کوئی لفظ غلط نہ لکھ سکوں اور جملے کا معنی ہی نا بدل جائیں ،صبح آتے وہ مجھ سے کشمیر کے حوالے سے قومی اخبارات میں چھپے ہوئے،مضامین اور کشمیر سے متعلق خبروں کے تراشے مانگتے تھے جو میں نے پہلے ہی جمع کرکے ان کے ٹیبل رکھے

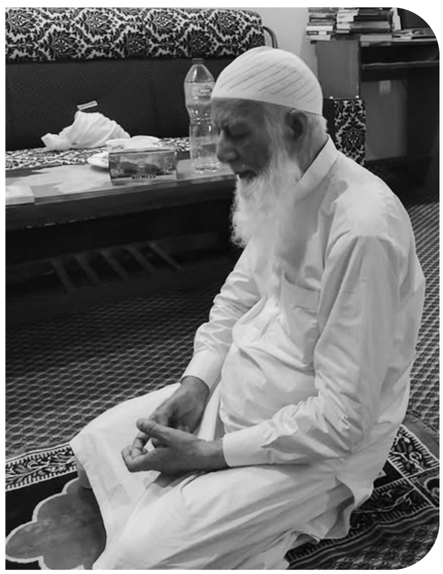

ہوتے تھے ۔وہ ان پر ایک غائرانہ نظر ڈال کر انہیں سائیڈ پر رکھ دیتے تھے اور مجھے کہتے تھے چلو بسم اللہ کریں اور لکھنا شروع کریں،وہ جو کہتے تھے اسے ردوبدل نہیں کرنا پڑتا بلکہ وہ ایک تحریر بن جاتی تھی۔

وہ اچھرہ پارک لاہور میں مولانا مودودیؒ کی محفلوں میں جوانی کے زمانے میں بطور ایک شاگرد شرکت کرتے تھے،کبھی اس زمانے کے واقعات بھی سناتے تھے ۔وہ کہا کرتے تھے کہ”سید ابوالاعلی مودودیؒ کی تقریر خود بخود ایک تحریر بن جاتی تھی جب اسے کوئی لکھنے بیٹھتا تو اسے نوک پلک سنوارنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی ایسی میں ان کی تقریروں سے بے حد متاثر ہوا تھا۔“اسی طرح متین صاحب بھی جو کچھ املاء کرتے تھے خاص کر جب کشمیرالیوم کے لئے اداریہ لکھواتے تھے اسے بھی نوک پلک سنوارنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی نہ ہی اس میں کوئی غلطی کی گنجائش ہوتی ۔اتنا تجربہ اور اتنی مہارت ان کو فن صحافت میں حاصل تھی۔وہ قومی اخبارات وجرائد میں دہائیوں سے لکھتے تھے ان کی صحافت ساٹھ برس پر محیط ہے جن میں سے صرف جنگ اخبار میں اس ہستی نے تین دہائیوں تک بطور نیوز ایڈیٹر صحافت کے میدان میں اپنے جوہر دکھائے۔اور وہ آخری دم تک لکھتے رہے اس دوران انہوں نے اپنی بیماری کو بھی آڑے آنے نہیں دیا۔

صحافتی میدان میں ان کی مہارت اور تجربے کے مقابلے میں کم

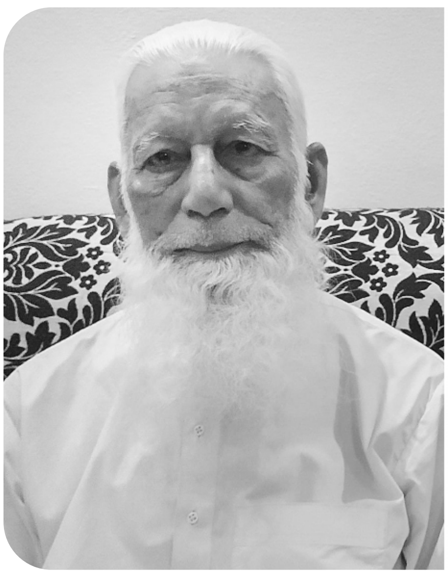

ہی کسی کو لایا جاسکتا ہے۔اسلوب صحافت اور زبان ادب پر اتنی دسترس تھی کہ جو کچھ لکھتے تھے ان کی تحریروں میں اتنی چاشنی ہوا کرتی تھی کہ کوئی قاری ان کی تحریر پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا یعنی ان کی ہر تحریر پڑھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ان کے ساتھ چار برس کی رفاقت رہی اس دوران ان کا خاص موضوع کشمیر ہی ہوتا تھا،انہیں کشمیریوں کے ساتھ قلبی لگاؤ خاص کر جو اللہ کی راستے میں شہید ہوتے،ان کی خبر جب ان تک پہنچتی تو وہ افسردہ رہتے اور دعاگو ہوتے تھے”یااللہ کب یہ قوم پنجہ غلامی سے آزاد ہوجائے گی“۔وہ تاریخ کشمیر کے ہر پہلو سے آگاہ تھے اس لئے کشمیر کے حوالے سے جتنی ان کی صحافتی خدامات ہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے۔

ایک دن میں نے ایک شہید کے حوالے سے ایک تحریر لکھی اور

ڈرتے ڈرتے متین صاحب کو دکھانے کی جسارت کی ،میں مضطرب رہا کہ متین صاحب ابھی اسے ردی میں رکھ دیں گے ،کیونکہ مجھے پتہ وہ تحریر کا صحیح پوسٹ مارٹم کرنے کے بعد ہی رسالے میں چھاپنے کے لئے دیتے تھے ۔انہوں لفظ لفظ پڑھکر میری طرف دیکھا اور کہا تحریر اچھی ہے اور کہیں جگھوں پر اصلاح فرمائی ۔ان کی حوصلہ افزائی نے مجھے بے حد متاثر کیا اور جتنا بھی وقت ہم نے اکٹھے گزارا اس دوران میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھتا تھا اور متین صاحب کی نظر سے اسے گذار کر وہ اسے کشمیر الیوم کے رسالے کی زینت بناتے جب کہ اس وقت اس رسالے میں جگہ پانا مشکل تھا کیونکہ اس وقت اس رسالے میں حامد میر،عرفان صدیقیؒ،ہارون الرشید،عارف بہار،امیاز جتوئی،ابومسلم عبداللہ اور ابن مسعود جیسے معروف کالم نگار مظلوم کشمیریوں کی توانا آواز بن کر لکھا کرتے تھے اور ان میں سے میں نے ان میں سے آج بھی کچھ درد دل رکھنے والے اس قلمی محاذ پر ڈٹے ہوئے ہیں ۔صحافت میں بڑا نام ہونے کے باوجود میں نے کبھی بھی متین صاحب کے اندر بڑے پن کی بو تک نہیں سونگھی،وہ ہمارے ساتھ کھلے دل سے بات کرتے تھے ۔

وہ انکسار کے پیکر تھے ،مرد درویش کو دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا ،وہ سخت گرمی ہو یا سردی ہمیشہ نماز دفتر سے دور مسجد میں نماز ادا کرتے تھے اور زبان ان کی ہمیشہ ذکر الٰہی سے تر رہتی تھی ۔وہ صحافت کے استعارہ تھے،شریف النفس اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے ہونے کے ساتھ ساتھ کہنہ مشق صحافی تھے پورے دن میں صرف بیس تیس منٹ کا نماز ظہر کے بعد قیلولہ کے لئے وقفہ لیتے تھے ۔اس کے بعد تازہ دم ہو کر پھر اپنے کام سے جڑ جاتے تھے ۔ان کی وفات سے ایک ہفتہ قبل ان س کے آر ایل ہسپتال ان کی عیادت کے لئے گئے،وہ آئی سی یو میں ڈائیلاسز کے مرحلے سے گزر رہے تھے ۔منہ پہ ماسک چڑھا ہوا تھا اور آکسیجن لگی ہوئی تھی ،اس حال میں بھی ہاتھ ملایا،ان کی آنکھیں بھیگی بھیگی تھی جن سے یادوں کا تلاطم عیاں تھا۔ان کی یہ ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی اس کے ایک ہفتہ بعد ہی وہ ہمیں دار مفارقت دے گئے ۔وہ صرف ابلاغی سہارے ہی نہیں بلکہ یادوں کے سہارے ہمیشہ ہمارے دلوں میں زندہ رہیں گے ۔ان کے جانے سے یقیناً وسعت فکر ونظر کا ایک بہتا دریا سوکھ گیا،انسانیت واخلاق کا نمونہ ہماری نظروں سے روپوش ہوگیا۔اللہ تعالیٰ اس درویش خدامت کی کامل مغفرت فرمائے۔

شمع روشن بجھ گئی
بزم سخن ماتم میں ہیں

صحافتی میدان میں ان کی مہارت اور تجربے کے مقابلے میں کم ہی کسی کو لایا جاسکتا ہے ۔اسلوب صحافت اور زبان ادب پر اتنی دسترس تھی کہ جو کچھ لکھتے تھے ان کی تحریروں میں اتنی چاشنی ہوا کرتی تھی کہ کوئی قاری ان کی تحریر پڑھے بغیر نہیں رہ سکتا ۔یعنی ان کی ہر تحریر پڑھنے سے تعلق رکھتی تھی ۔ان کے ساتھ چار برس کی رفاقت رہی اس دوران ان کا خاص موضوع کشمیر ہی ہوتا تھا ،انہیں کشمیریوں کے ساتھ قلبی لگاؤ خاص کر جو اللہ کی راستے میں شہید ہوتے ،ان کی خبر جب ان تک پہنچتی تو وہ افسردہ رہتے اور دعا گو ہوتے تھے ”یا اللہ کب یہ قوم پنجہ غلامی سے آزاد ہو جائے گی“ ۔وہ تاریخ کشمیر کے ہر پہلو سے آگاہ تھے اس لئے کشمیر کے حوالے سے جتنی ان کی صحافتی خدامات ہیں وہ تاریخ کا ایک حصہ ہے ۔

شہید شمس الحق: ایک استاد، مربی اور دانشور

محمد شہباز

تحریک آزادی کشمیر کے معروف رہنما، مربی، استاد، مصنف اور دانشور جناب غلام محمد میر جو مسلح تحریک میں شمس الحق کے نام سے جانے گئے۔16 دسمبر 1993 میں اپنے ہی آبائی ضلع بڈگام کے کھاگ علاقے میں مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔یوں یہ ان کا 32واں یوم شہادت ہے۔شہید شمس الحق گفتار اور کردار کے غازی تھے۔جو سبق دوسروں کو پڑھایا، وقت آنے پر نہ صرف خود بھی بحیثیت مجموعی اس پر مکمل اور پورا پورا عمل کیا، بلکہ اپنے خون سے اپنے کردار کی گواہی بھی دی۔اسی کردار نے انہیں ممتاز اور منفرد مقام عطا کیا جس کے حصول کیلئے لوگ ترستے ہیں۔وہ کوئی عام انسان نہیں تھے، بلکہ وہ معاشرے کے ذی حس اور باشعور انسان تب بھی سمجھے جاتے تھے۔

جب ظلمت کے اندھیروں نے کشمیری معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔اسلام پسندوں کو بھارتی انتقام اور قید و بند کا سامنا تو تھا ہی لیکن اپنوں کے طعنوں، حد درجہ دشمنی، اسلام پسندوں کی گھریلو اور خاص کر خانہ وازدواجی زندگیوں کو چوک چوراہوں میں زیر بحث لانا ایک دل پسند مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔جناب شمس الحق بطور خاص اس بے حد شرمناک اور افسوسناک طرز عمل کا نشانہ بنائے گئے۔مگر نہ جانے شمس الحق کے سینے میں اللہ رب العالمین نے کون سا دل رکھا تھا، کہ وہ نہ صرف معاف اور صرف نظر کرنے کے خود قائل تھے، بلکہ دوسروں بالخصوص اسلام پسندوں کو اسی بات کی ترغیب دیتے تھے۔انہیں معاشرے کی ناہمواریوں کا بے پناہ سامنا رہا

شہید شمس الحق

ہے۔بھارت نواز نیشنل کانفرنس اور کانگریس کی جڑیں چونکہ کافی گہرائی تک معاشرے میں سرایت کر چکی تھیں۔ان جڑوں کو

> شہید شمس الحق ایک نرم مزاج اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔وہ میدان جہاد میں امیر حزب المجاہدین کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ 1992 میں انہیں بیس کیمپ آنا پڑا، ان کیساتھ جناب میر احمد حسن بھی تھے، جو جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے رکن اور بیس کیمپ میں کچھ عرصہ حزب المجاہدین کے معاملات دیکھتے رہے۔شہید شمس الحق فطرتاً مسلح مجاہد کم، دین کے داعی، مبلغ اور دانشورانہ حس زیادہ رکھتے تھے۔انہیں سینکڑوں احادیث عربی متن کیساتھ ازبر تھیں۔انہوں نے بیس کیمپ میں فرصت کے لمحات میں ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف کی۔

کاٹنے اور جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کیلئے شمس الحق اور جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر نے اپنا تن من دھن قربان کیا۔جیل کی سلاخیں جماعت اسلامی اور اسلام پسندوں کیلئے ایک معمول بن چکی تھیں۔طویل جدوجہد اور انتھک محنت ومشقت کے بعد 1989 میں مسلح تحریک نے پورے کشمیری معاشرے میں اثر پذیری کے ساتھ دستک دی۔اس مسلح تحریک کی بنیاد 1987 میں کرائے جانے والے وہ نام نہاد انتخابات بنے، جن میں مقبوضہ جموں وکشمیر کی تمام دینی اور آزادی پسند جماعتوں کی جانب سے قائم کیے گئے اسلامی متحدہ محاذ کے امیدواران کی جیتی ہوئی بازی کو شکست میں تبدیل کیا جانا تھا۔نوجوانوں نے اب یا کبھی نہیں کے اصولوں کو بنیاد بنا کر ہر صورت مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا اور جماعت اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کو رہنمائی اور قیادت کیلئے منتخب کیا گیا۔چونکہ جماعت کے افراد نے معاشرے بالخصوص نوجوانوں کی تعلیم وتربیت کے ذریعے ذہن سازی کا پہلے ہی اہتمام کر رکھا تھا۔محمد مقبول الٰہی، محمد اشرف ڈار، شیخ عبدالوحید، ناصرالاسلام، محمد احسن ڈار، اعجاز ڈار، اشفاق مجید وانی، شیخ عبدالحمید، محمد یاسین ملک مسلح تحریک کے اولین قافلے کے سالار ٹھہرے۔جبکہ جناب اعجاز احمد ڈار مسلح تحریک کے پہلے شہید کہلائے، جب سرینگر میں بدنام زمانہ بھارتی پولیس آفیسر علی وٹالی پر حملہ کیا گیا، جناب محمد مقبول الٰہی جو اس آپریشن کی قیادت کر رہے تھے، بازو میں گولیاں لگنے سے زخمی ہوئے۔

شہید شمس الحق ایک نرم مزاج اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔وہ میدان جہاد میں امیر حزب المجاہدین کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ 1992 میں انہیں بیس کیمپ آنا پڑا، ان کیساتھ جناب میر احمد حسن بھی تھے، جو جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے رکن اور بیس کیمپ میں کچھ عرصہ حزب المجاہدین کے معاملات دیکھتے رہے۔شہید شمس الحق فطرتاً مسلح مجاہد کم، دین کے داعی، مبلغ اور دانشورانہ حس زیادہ رکھتے تھے۔انہیں سینکڑوں احادیث عربی متن کیساتھ ازبر تھیں۔انہوں نے بیس کیمپ میں فرصت کے لمحات میں ایک ضخیم کتاب بھی تصنیف کی۔جس سے بعد ازاں پمفلٹوں کی شکل میں جماعت اسلامی آزاد کشمیر خاص کر جناب صغیر قمر نے شائع کرایا۔جناب شمس الحق کی اپنی ایک ذاتی لائبریری تھی۔جس میں دنیائے تاریخ کے عظیم مفکر سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تمام تصانیف، دوسری دنیاوی اور اسلامی کتب آج بھی موجود ہیں۔ان کے بچوں نے اپنے والد کے

جناب شمس الحق پاکستان کیساتھ بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور سقوط مشرق پاکستان انہیں بے حد تکلیف پہنچانے کا باعث تھا۔ 16 دسمبر جب 1971 میں مشرقی پاکستان مملکت خداداد سے عالمی استعمار کی سازشوں اور بھارت کی عملا فوجی مداخلت سے الگ ہوا، جس کا اعتراف فسطائی مودی نے چند برس قبل ڈھاکہ میں ایک تقریب سے اپنی تقریر میں کھلے لفظوں میں کیا۔اس وقت حسینہ واجد بنگلہ دیش کی راج سنگھاسن پر براجمان تھیں، جو 05 اگست 2024 کو بنگلہ دیش میں ایک بڑے عوامی انقلاب کی نذر ہوگئی اور اس وقت بھارت میں خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہیں

اس قیمتی اثاثے کی آج تک حفاظت بھی کی ہے۔جناب شمس الحق کا بڑا فرزند، بھائی، ماموں اور بھانجا بھی مسلح تحریک کا حصہ رہے۔جن میں بھائی علی محمد میر اور ماموں شہید جبکہ فرزند اور بھانجا کافی عرصہ بھارتی عقوبت خانوں کی زینت بنے رہے۔یاد رہے کہ شمس الحق کے ایک ہی بھائی علی محمد میر تھے،اور دونوں تحریک آزادی میں اپنا خون نچھاور کر چکے ہیں ۔جناب شمس الحق کی سرفروشانہ شہادت اپنی جگہ لیکن اہل کشمیر ایک داعی، مبلغ اور دانشور سے محروم ہوگئے۔انہیں جماعت اسلامی پاکستان نے بالعموم اور عقابی نگاہ کے مالک جناب قاضی حسین احمد کے علاوہ جنرل حمید گل نے بہت روکنا چاہا،مگر جس راستے کا درس وہ دوسروں کو دیتے رہے۔خود اس راستے سے ترک تعلق انہیں کسی صورت قبول نہیں تھا۔بالآخر 16 دسمبر 1993 میں بھارتی افواج کیساتھ ایک خونین معرکے میں اپنی کل متاع عزیز تحریک آزادی کشمیر پر قربان کی۔

جناب شمس الحق پاکستان کیساتھ بے حد محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور سقوط مشرق پاکستان انہیں بے حد تکلیف پہنچانے کا باعث تھا۔ 16 دسمبر جب 1971 میں مشرقی پاکستان مملکت خداداد سے عالمی استعمار کی سازشوں اور بھارت کی عملا فوجی مداخلت سے الگ ہوا، جس کا اعتراف فسطائی مودی نے چند برس قبل ڈھاکہ میں ایک تقریب سے اپنی تقریر میں کھلے لفظوں میں کیا۔اس وقت حسینہ واجد بنگلہ دیش کی راج سنگھاسن پر براجمان تھیں، جو 05 اگست 2024 کو بنگلہ دیش میں ایک بڑے عوامی انقلاب کی نذر ہوگئی اور اس وقت بھارت میں خود ساختہ جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔جس سے 17 نومبر کو بنگلہ دیشی انٹرنیشنل کرائمز ٹریبونل نے انسانیت کے خلاف جرائم کا مرتکب قرار دیتے ہوئے پھانسی کی سزا سنادی ہے۔بنگلہ دیشی عوام نے نہ صرف شیخ مجیب کے دیوہیکل مجسمے مسمار کیے بلکہ بھارت کیساتھ تعلقات کو کم ترین سطح پر لا کر پاکستان کیساتھ تعلقات میں نہ صرف گرمجوشی پیدا کی بلکہ اب پاکستان اور بنگلہ دیش دفاعی تعلقات میں بہت آگے بڑھ چکے ہیں۔دونوں ممالک نے سفارتی اور عوامی سطح پر ویزوں میں بھی بہت حد تک نرمی پیدا کی ہے، بلکہ On Arrival ویزا سہولیات بھی میسر ہیں۔دو برس قبل ایک تو یوم آزادی پاکستان اور بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی برسی کے موقع پر پریس کلب ڈھاکہ میں بڑے بڑے پروگرامات کا انعقاد عمل میں لاکر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بھارتی پٹھو اور ایجنٹ شیخ حسینہ واجد کی ایما پر پاک بنگلہ دیشی عوام کے دلوں سے ایک دوسرے کی محبت ختم نہیں کی جاسکتی، جو دونوں کلمہ گو ہیں اور یہی کلمہ انہی مضبوط مذہبی، ثقافتی اور سماجی رشتوں میں جوڑتا ہے۔

بنگلہ دیش کی موجودہ صورتحال آج شہید شمس الحق کی روح کو سکون و اطمینان پہنچانے کا باعث ہوگی۔بنگلہ دیش کی تبدیلی کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی لیکن اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں،لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتحال بھی ڈرامائی انگڑائی لے گی۔اس پر ہمارا ایمان اور یقین ہونا چاہیے۔اسی کیلئے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی جاچکی ہیں اور آج بھی قربانیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔شہید شمس الحق کی قربانی رائیگان نہیں جائے گی۔

یقیناً بنگلہ دیش کی موجودہ صورتحال آج شہید شمس الحق کی روح کو سکون و اطمینان پہنچانے کا باعث ہوگی۔بنگلہ دیش کی تبدیلی کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی لیکن اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں،لہٰذا کوئی بعید نہیں کہ مقبوضہ جموں وکشمیر کی صورتحال بھی ڈرامائی انگڑائی لے گی۔اس پر ہمارا ایمان اور یقین ہونا چاہیے۔اسی کیلئے لاکھوں جانوں کی قربانیاں دی جاچکی ہیں اور آج بھی قربانیوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے۔شہید شمس الحق کی قربانی رائیگاں نہیں جائے گی۔جو سراپا محبت و اخلاص،شرافت، دیانت و امانت اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔جس میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔بھارت کے غاصبانہ قبضے کے خاتمے کیلئے تحریک آزادی کشمیر کے سمبل امیر حزب المجاہدین سید صلاح الدین احمد نے شہید شمس الحق کو ان الفاظ میں عقیدت کے پھول نچھاور کیے، ہم ایک دانشور، استاد اور نظریہ ساز سے محروم ہوگئے۔

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبز نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل نکالا جا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ، مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے حل کی توقع رکھنا محض حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے

سید مودودی کشمیر کو پاکستان کا حصہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاکستان سرکاری اور قومی سطح پر کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے جہاد کا اعلان کرے

میرے لیے یہ بات باعث فخر ہے کہ سید علی گیلانی ؒ میری بات توجہ سے سنتے تھے اور اسے اہمیت دیتے تھے

قاضی حسین احمد ؒ صحیح معنوں میں مجاہد ملت تھے، پوری امت مسلمہ کا درد ان کے دل میں بھرا ہوا تھا

جناب متین فکری پاکستان کے معروف ادیب ،شاعر ،مصنف ،صحافی اور دانشور ہیں ۔ پاکستان کے ممتاز اور مایہ ناز شاعر، ادیب ،نقاد، کالم نگار اور مصنف مرحوم سید ضمیر جعفری نے 1997ء میں متین فکری صاحب کا تعارف چند الفاظ میں اس طرح کیا ہے کہ کہہ سکتے ہیں کہ واقعی سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے، لکھتے ہیں ’’جناب متین فکری ایک فکر انگیز شاعر، نثر نگار اور شفاف ذہن کے صحافی کی حیثیت سے ملک کے ادبی اور صحافتی حلقوں میں عزت واحترام کے ایک بہت بلند مقام پر فائز ہیں ۔ وہ ان کمیاب اہل قلم میں سے ہیں کہ ادب اور صحافت کے دونوں قبیلوں میں ان کے مداحوں کا بڑا کثیر حلقہ موجود ہے ۔ وہ ہمارے ان شعراء میں سے ہیں جن کا شعر عصری زندگی کی دھوپ چھاوں کی سچی عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے اور وہ ہمارے ان صحافیوں میں سے ہیں جن کی نظر کشادہ ہے اور مسائل کو غیر جانبدارانہ انداز میں پرکھنے کی صلاحیت اتم درجے پر رکھتے ہیں پھر قدرت نے ان کو ایک اور بے بہا نعمت یہ عطا کر رکھی ہے کہ ان کے ذہن میں نہ کوئی سلوٹ ہے اور نہ ان کی تحریر میں کوئی جھول ۔ بہت کم ادیب ہیں جو اپنے نقط نگاہ کو اتنی سلاست کے ساتھ ،اتنی طاقت اور تاثیر کے ساتھ قاری میں منتقل کر سکیں‘‘ اسی طرح برصغیر کے ممتاز کالم نگار اور صحافی ہارون الرشید جناب متین فکری کی زندگی کا احاطہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ ’’متین فکری الفاظ سے زیادہ عمل کے آدمی ہیں ۔ ۔ اپنے کام کا سلیقہ رکھنے والے آدمی ہیں ۔ ۔ وقت جیسے قیمتی متاع کو بے دردی سے لٹانے والے ذہنی مفلسوں اور منتشر اذہان کے ہجوم میں متین فکری ان لوگوں میں سے ایک ہیں، جو اپنے شب و روز کا حساب رکھتے ہیں اور ہر دن کے ساتھ جن کے خیال و فکر کا خزانہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے ۔ متین فکری اسی دنیا کا آدمی ہے ۔ اس کی ایک ذات ،نسل اور قبیلہ بھی ہے لیکن وہ ان سب بندھنوں سے اوپر اٹھ کر سوچ سکتا ہے کہ وہ ایک آزاد آدمی ہے ۔ بظاہر وہ بہت دھیمی رفتار کا آدمی ہے، لیکن اس نے

ذہن رسا پایا ہے ۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ راست فکر آدمی ہے ۔ واضح خیالات اور مربوط شخصیت کا آدمی ۔ ان کی جرأت مندانہ اور گرہ کشا تحریریں بے نفسی کی ایسی شہادت ہیں جو مجھے یقین ہے کہ روز جزا اس کے دائیں ہاتھ میں ہونگی‘‘ ۔

ماہنامہ کشمیر الیوم کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ روزنامہ جنگ سے ریٹائرمنٹ کے بعد، متین صاحب اس جریدے کے بانی ایڈیٹر ہیں ۔ 2009 تک اس کے ایڈیٹر رہے ۔ متین فکری نے تحریک آزادی کشمیر کیلئے قلمی و علمی محاذ پر بے انتہا کام کیا ۔ انہیں اگر تحریک آزادی کشمیر کا ترجمان بھی کہا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ انہیں اس بات کا بڑا دکھ ہے کہ پاکستانی حکمرانوں کو کشمیر کی آزادی کیلئے جو کچھ کرنا چاہیئے تھا وہ کردار انہوں نے ادا نہیں کیا ۔ وہ برملا اپنی تحریروں میں اس کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور پاکستانی حکمرانوں کو یہ احساس دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ کشمیر کی آزادی کے بغیر تقسیم برصغیر کا ایجنڈا نامکمل ہے ۔ کچھ ہفتے پہلے ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ۔ ان کی ذات اور ارد گرد کی صورتحال پر کچھ گفتگو ہوئی ۔ جسے قارئین کی خدمت میں من و عن پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے ۔ (شیخ محمد امین، فاروق احمد)

(نوٹ) یہ انٹرویو 2023 جولائی میں لیا گیا اور اگست 2023 میں کشمیر الیوم میں شائع ہوا ۔ آج جناب متین فکری ؒ کی یاد میں دوبارہ تبرکاً اس کو شائع کیا جا رہا ہے

س: آپ کے خاندان نے کب پاکستان کی طرف ہجرت کی ۔ آپ نے کس عمر میں مہاجر بننے کا اعزاز حاصل کیا؟

ج: ہم لوگ متحدہ ہندوستان کے شہر الہ آباد کے رہنے والے ہیں

۔اس شہر کو اکبر الہ آبادی کی شاعری اور علامہ اقبال کے خطبات کے نسبت خصوصی شہرت حاصل تھی۔اس شہر پر اسلامی تہذیب و ثقافت کا غلبہ تھا۔اور ہندو بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ نہرو خاندان بھی اسی شہر کی شاخت کا باعث تھا۔کشمیری پنڈتوں کا یہ خاندان کشمیر سے آ کر یہاں آباد ہوا تھا اور انڈین کانگریس میں اپنی اہمیت کے سبب اسے ممتاز مقام حاصل تھا۔نہرو خاندان کے مسلمانوں سے نہایت خوشگوار مراسم تھے۔اور ان کی بود و باش پر بھی اسلامی چھاپ لگی ہوئی تھی۔میرے والد بتاتے ہیں پنڈت جواہر لال نہرو اپنے مہمانوں کو رخصت کرتے ہوئے ہمیشہ خدا حافظ کہتے تھے۔ان کی بہن وجے لکشمی پنڈت کا ایک مسلمان سے معاشقہ بہت مشہور ہے یہ خاتون اسلام قبول کرنے اور مسجد میں نکاح پڑھوانے پر آمادہ ہوگئی تھیں۔لیکن گاندھی جی کو جونہی اس کی خبر ہوئی انہوں نے ہنگامہ کر دیا اور ایسا چکر چلایا کہ یہ شادی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ہندوستان کی تقسیم کے بعد وجے لکشمی پنڈت کو امریکہ میں سفیر بنا کر بھیج دیا گیا۔

ہندوستان اگست 1947ء میں تقسیم ہوا اس وقت میری عمر چھ سال کے قریب تھی لیکن ہم لوگ پاکستان بننے کے تین سال بعد 1950ء میں لاہور آئے۔اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ الہ آباد میں تقسیم کے وقت کوئی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہوا۔میرے بڑے بھائی ریلوے میں ملازم تھے اور ان کے محکمے نے ان سے پوچھا کہ وہ الہ آباد میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان جانا چاہتے ہیں۔انہوں نے پاکستان کے حق میں رائے دی تھی۔چنانچہ ان کا لاہور تبادلہ کر دیا گیا اور وہ 1948 میں لاہور آگئے۔پھر انہوں نے 1950 میں پورے خاندان کا پرمٹ بنوا کر بھیجا اور ہم سب لوگوں نے لاہور ہجرت کی۔اس زمانے میں ابھی انتقال آبادی کا عمل جاری تھا اور بھارت و پاکستان کے درمیان ویزہ سسٹم رائج نہیں ہوا تھا بلکہ لوگ خصوصی اجازت ناموں کے پرمٹ کے ذریعے آجا رہے تھے۔

س: اپنے تعلیمی سفر کے حوالے سے کچھ بتائیے، صحافت کی دنیا میں کب قدم ڈالا؟

ج: میری تعلیم کا سلسلہ تو الہ آباد میں ہی شروع ہوگیا تھا اور وہاں مسجد قرآن پاک کی تعلیم حاصل کر رہا تھا پھر لاہور آگیا۔اسکول کالج اور یونیورسٹی کے مراحل سے گزرا۔دوران تعلیم ہی مضمون نگاری بھی شروع کر دی تھی میرے مضامین اس زمانے کے مشہور ہفتہ روزہ چٹان میں شائع ہوتے تھے جو نامور ادیب وشاعر آغا شورش کاشمیری کی ادارت میں نکلتا تھا۔میرے مضامین نہایت سنجیدہ اور پرمغز حوالوں پر مشتمل ہوتے تھے جن کو پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں بیٹھ کر بڑی محنت سے تیار کرتا تھا۔اور یہ مضامین میں بذریعہ ڈاک چٹان کو بھیجتا تھا۔میری آغا صاحب سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ایک دن میری شامت آئی تو آغا صاحب سے ملنے چٹان کے دفتر پہنچ گیا اس وقت میں بیس سال کا نوجوان تھا لیکن صحت اتنی کمزور تھی کہ سترہ اٹھارہ سال کا نظر آتا تھا۔آغا صاحب نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا ”لڑکے کیا کام ہے؟ میں نے کہا، میرا نام متین فکری ہے اور میں آپ کے رسالے کے لئے مضامین لکھتا ہوں“ وہ یہ سن کر ہنسے اور چٹان کے مینجنگ ایڈیٹر خواجہ صادق کو جو ان کے برادر نسبتی تھے آواز دیتے ہوئے کہا ”یہ لڑکا علامہ متین فکری بن رہا ہے اس کی خبر لو“ خواجہ صاحب میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی میز پر لے گئے اور کہا برخوردار تمہیں علامہ صاحب بننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے میں نے کہا میں ہی متین فکری ہوں۔آپ میرا امتحان لے لیجئے۔انہوں نے میرا تازہ ارسال کردہ مضمون میز کی دراز سے نکالا اور پوچھا تم نے کون سا مضمون بھیجا تھا اس کا عنوان کیا ہے میں نے فرفر اس کے بارے میں پوچھا مجھے زبانی یاد تھا میں نے فرفر سنا دیا اس پر وہ حیران ہوئے لیکن انہیں یقین آگیا کہ میں ہی متین فکری ہوں۔انہوں نے آغا صاحب سے کہا کہ یہی لڑکا متین فکری ہے اس پر آغا صاحب نے مجھے سمجھایا اتنے مشکل اور اق مضامین لکھنے کی ضرورت نہیں ہلکے پھلکے اور دلچسپ مضامین لکھا کرو تا کہ تمہاری لکھنے کی صلاحیت نشو ونما پائے۔میں نے ان کی یہ بات پلے باندھ لی۔میں نے اپنے صحافتی کیئریر کا باقاعدہ آغاز ہفت روزہ ”ایشیا“ سے کیا جس کے ایڈیٹر برصغیر کے نامور صحافی ادیب وشاعر ملک نصر اللہ خان عزیز تھے۔ان کی زبان دانی کے لیے یہ واقعہ ہی کافی ہے کہ وہ لاہور سے جا کر بجنور کے سہ روزہ ”مدینہ“ کے مدیر ہوئے جس کی ادارت بعد میں سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بھی کی۔میں نے جب ایشیا میں ملازمت کے لیے درخواست دی تو ملک نصر اللہ خان عزیز اگرچہ اس کے مدیر اعلیٰ تھے لیکن یہ پرچہ ممتاز افسانہ نگار اور ادیب محترم جیلانی بی اے کی ادارت میں نکل رہا تھا اور وہی اس کے کرتا دھرتا تھے۔انہوں نے مجھے ایشیا کے دفتر میں بلایا اور بات چیت کے بعد ثمن آباد میں ملک نصر اللہ خان عزیز کے پاس بھیج دیا۔انہوں نے ٹھونک بجا کر میرا انٹرویو لیا اور ایشیا کے نائب مدیر کی حیثیت سے میری تقرری کی منظوری دے دی۔میں ہفت روزہ ایشیا میں کم وبیش دس سال تک کام کرتا رہا اس کے بعد جیلانی صاحب ہی کوششوں سے روز نامہ جنگ راولپنڈی میں بطور سب ایڈیٹر میرا تقرر ہوگیا اور میں لاہور سے راولپنڈی آگیا۔ 1970 میں لاہور میں شادی ہو چکی تھی راولپنڈی میں میری آمد کا سال 1975 ہے۔میں جنگ اخبار میں مختلف حیثیتوں میں کام کرتا رہا۔ 2001 میں۔میں نے ریٹائرمنٹ لے لی۔اس کے بعد سات آٹھ سال تحریک آزادی کشمیر کے ترجمان

جریدے سے وابستہ رہا جو میرے زمانے میں ہفت روزہ تھا اس کے بعد اب وہ ماہنامہ کشمیر الیوم کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔اس کے بعد جسارت میں کالم لکھ رہا ہوں۔

س : سید مودودیؒ سے کب پہلی ملاقات ہوئی۔۔آپ نے سید مودودیؒ کی قربت میں بھی کچھ وقت گزارا ہے۔۔کچھ یادگار لمحات اس سفر کے۔۔۔ :رکن جماعت کب بنے؟

ج : سید مودودیؒ سے میری ملاقات ہفت روزہ ایشیا میں اپنے فرائض کی ادائیگی کے دوران ہوئی۔سید صاحب نماز عصر کے بعد عام لوگوں سے ملاقات کرتے تھے اور جس کوٹھی میں وہ رہائش پذیر تھے وہیں جماعت اسلامی کے مرکزی دفاتر بھی تھے۔سید صاحب نماز عصر کے بعد کوٹھی کے سبزہ زار میں ایک آرام کرسی پر بیٹھ جاتے تھے اور ان کے دونوں اطراف میں کرسیاں لگا دی جاتی ہیں جن پر آنے والے بیٹھتے تھے۔یہیں میں نے سردار عبدالقیوم خان،علامہ احسان الٰہی ظہیر،ائر مارشل اصغر خان،نواب مشتاق احمد گورمانی اور بہت سے دیگر اکابرین کو سید صاحب سے ملاقات کرتے دیکھا۔مجھے یاد ہے کہ 1970 میں آزاد کشمیر کے صدارتی انتخابات میں جب مسلم کانفرنس کے سربراہ سردار عبدالقیوم خان کو کامیابی ملی تو وہ اپنی پہلی فرصت میں مظفر آباد سے لاہور آگئے اور عصری مجلس میں سید مودودیؒ سے ملاقات کی۔ان کی کامیابی کی خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔اس لئے سید صاحب نے ان کا پر جوش خیر مقدم کیا اور صدارتی انتخاب میں ان کی کامیابی پر انہیں مبارکباد دی۔سردار صاحب کہنے لگے کہ یہ کامیابی صرف میری نہیں بلکہ آپ کی اور جماعت اسلامی کی کامیابی بھی ہے۔انہوں نے کہا کہ مسلم کانفرنس آزاد کشمیر میں وہی کام کر رہی ہے جو جماعت اسلامی پاکستان میں کر رہی ہے۔سید صاحب نے سرہلا کر ان کی تائید کی لیکن پھر جب کافی عرصہ بعد آزاد کشمیر میں جماعت اسلامی قائم کی گئی تو مسلم کانفرنس اور جماعت اسلامی کے درمیان فاصلہ پیدا ہوگیا۔مجھے سید مودودیؒ کے ساتھ سفر کرنے کا بھی اتفاق ہوا جب جنرل ایوب خان کے خلاف متحدہ اپوزیشن کی بحالی جمہوریت کی تحریک چل رہی تھی تو سید مودودیؒ نے اس سلسلے میں کئی شہروں کا دورہ کیا تھا۔جماعت کے دیگر رفقاء اور صحافیوں کے ساتھ میں بھی سید صاحب کا رفیق سفر رہا۔مجھے یاد ہے کہ ان جلسوں میں سید مودودیؒ واحد مقرر کی حیثیت سے خطاب کرتے تھے۔یہ جلسے بالعموم رات میں عشاء کے بعد ہوتے تھے اور دیر تک جاری رہتے تھے۔سرگودھا میں ایک جلسہ تھا جس کی صدارت مسلم لیگ کے نواب زادہ افتخار انصاری نے کی تھی مجھے یاد ہے اس جلسے میں سید مودودیؒ نے جنرل ایوب خان کی معاشی پالیسی پر تنقید کرتے ہوئے غالب کا یہ شعر پڑھا تھا۔

قرض کی پیتے تھے مے اور سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن

اس زمانے میں امریکی ڈالر چھ روپے میں آتا تھا اور اپوزیشن اس بات پر معترض تھی کہ یہ چھ روپے کا کیوں ہے اسے تو ایک روپے کا ہونا چاہیے اندازہ کیجئے کہ جب یہی ڈالر تین سو روپے سے زیادہ ہے اور ہماری آنکھیں بند ہیں۔رکن جماعت تو میں بہت بعد میں غالباً 1980 کی دہائی میں روزنامہ جنگ کی ملازمت کے دوران بنا۔

س : سید کی جماعت اور آج کی موجودہ جماعت میں کچھ فرق یا کچھ تبدیل نہیں ہوا ہے؟

سید مودودیؒ کی جماعت اسلامی اور آج کی جماعت اسلامی فرق بہت واضح ہے اس زمانے میں اہل علم کی ایک کہکشاں تھی جو جگمگا رہی تھی اس زمانے میں جماعت اسلامی کا نظریاتی لٹریچر تیار ہوا جو آج تک کارکنوں کی رہنمائی کر رہا ہے اور جماعت اسلامی کو دوسری جماعتوں کے مقابلے میں ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔اس لٹریچر نے جماعت اسلامی کو تحریک اسلامی کی شکل دی ہے اور یہ تحریک پوری دنیا میں جاری ہے۔اسلاموفوبیا کے مقابلے میں اس تحریک کی مقبولیت بڑھ رہی ہے اور بہت اہم لوگ اسلام قبول کر رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ موجودہ اور آنے والی صدی یورپ میں اسلام کی صدی ہے اس سے جتنا دبایا جائیگا اتنا ہی یہ پھیلے گا۔لیکن افسوس مسلمان ملکوں میں کوئی ایسی قیادت موجود نہیں ہے جو احیائے اسلام کے عمل کو آگے بڑھا سکے۔پاکستان کا حال بھی بہت پتلا ہے۔جو ملک اسلام کے نام پر بنا تھا وہاں اسلام کو اجنبی بنا کر رکھ دیا گیا ہے،ہم اسلام کی رسی کو تھام کر ہی ترقی کی منزلیں طے کر سکتے تھے۔اسے چھوڑنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان کا وجود ایک سوالیہ نشان بن گیا ہے اور کرپشن نے اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔مختصر یہ کہ قیام پاکستان کے وقت اپنے رب سے جو عہد کیا تھا اس عہد سے بے وفائی کی اور اس بے وفائی کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے پاکستان اقوام عالم میں ذلیل ہو رہا ہے۔

س: کشمیر کے حوالے سید مودودیؒ کے کیا جذبات تھے؟

ج : کشمیر کے حوالے سے سید مودودی کے جذبات بہت شدید تھے وہ اس سے پاکستان کا حصہ سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ پاکستان سرکاری اور قومی سطح پر کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے جہاد کا اعلان کرے وہ پرائیویٹ جتھوں کی طرف سے مقبوضہ کشمیر میں جہاد کو شرعاً درست نہیں سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ ان پر جہاد کشمیر کے خلاف فتویٰ دینے کا الزام لگایا گیا اور خود حکومت نے ان کے خلاف پروپیگنڈا کیا،حالانکہ سید مودودیؒ جہاد کے ذریعے مقبوضہ کشمیر کو آزاد کرانے کے پر جوش حامی تھے۔انہوں نے 1965 کی جنگ میں جنرل ایوب خان کی حمایت کا غیر مشروط اعلان کیا تھا لیکن جب وہ تاشقند میں مذاکرات کی میز پر مسئلہ کشمیر سے پیچھے ہٹ گئے تو سید مودودیؒ نے اس پر کڑی تنقید کی۔

س : آپ کا شہید امام سید علی گیلانیؒ کے ساتھ ایک قریبی تعلق تھا۔آپ ان کے ساتھ کھل کر والہانہ محبت کا اظہار بھی کرتے تھے۔کوئی خاص وجہ؟

ج: سید گیلانی شہید کے ساتھ بالمشافہ ملاقات تو نہیں ہوئی البتہ ان سے ٹیلیفون پر رابطہ ضرور رہا۔میرے لیے یہ بات باعث فخر ہے کہ وہ میری بات توجہ سے سنتے تھے اور اسے اہمیت دیتے تھے۔مجھے یاد ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے دور میں امریکا کے دباؤ پر مسئلہ کشمیر کو سائیڈ لائن کر کے بھارت سے دوستی کی باتیں شروع ہوئیں اور سرینگر تا مظفر آباد دوستی بس کا منصوبہ بنایا گیا تو مشرف حکومت کی شدید خواہش تھی کہ پہلی بس میں دیگر کشمیری رہنماؤں کے ساتھ سید گیلانی بھی ضرور آئیں تا کہ اس منصوبے کا اعتبار و اعتماد قائم ہو سکے۔جماعت اسلامی بھی اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتی تھی اور وہ گیلانی صاحب کی پاکستان

آمد کو بہت مفید سمجھتی تھی اس کے لیڈروں نے گیلانی صاحب سے ٹیلیفون پر رابطہ کرکے ان پر زور دیا کہ وہ دوستی بس کے ذریعے پاکستان ضرور آئیں۔ پاکستانی عوام ان کے شدت سے منتظر ہیں اور انہیں اپنے درمیان دیکھنا چاہتے ہیں۔ابھی یہ بحث چل رہی تھی اور گیلانی صاحب گومگو کی کیفیت میں تھے کہ میں نے انہیں ایک خط لکھ دیا جس میں ان کی متوقع آمد پر میں نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا تھا کہ دوستی بس دراصل امریکی منصوبہ ہے جس کا مقصد مسئلہ کشمیر کو نظر انداز کرکے بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات کو فروغ دینا ہے۔کیا آپ اس منصوبے کا حصہ بننا پسند کریں گے؟ میرا خط انہیں موصول ہوا تو انہوں نے فوراً حریت کانفرنس کی مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کرلیا جس میں اس خط پر غور کیا گیا اور بالآخر یہی طے پایا کہ گیلانی صاحب دوستی بس کے ذریعے مظفر آباد نہیں جائیں گے۔گیلانی صاحب خود کو پاکستانی سمجھتے تھے اور انہیں بھارتی پاسپورٹ پر پاکستان آنا کسی صورت گوارہ نہ تھا۔ان کے انکار کی بنیادی وجہ یہ بھی تھی۔بہرکیف دوستی بس کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔گیلانی صاحب کی زندگی کا منشور علامہ اقبال کے اشعار میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناراض
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

گیلانی صاحب جب تک زندہ رہے امید کی شمع اپنے دل میں فروزاں رکھی۔ایک مومن کی حیثیت سے وہ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوئے یہی امید کی شمع آج کشمیریوں کے دل میں فروزاں ہے اور وہ بھارتی جبر کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔

س : آپ کی طویل صحافتی خدمات ہیں،کشمیر کی موجودہ صورتحال پر آپ کیا تبصرہ کریں گے،آپ کے خیال میں کس پاکستانی سیاست دان کو مسئلہ کشمیر کے حوالے سے مخلص،سنجیدہ اور کمٹیڈ پایا؟

ج: میرے خیال میں صرف صرف قاضی حسین احمد ہی وہ سیاستدان ہیں جو مسئلہ کشمیر پر انتہائی سنجیدہ ،مخلص اور کمٹیڈ تھے ۔وہ سمجھتے تھے کہ صرف جہاد کے ذریعے ہی کشمیر کو آزاد کرایا جاسکتا ہے۔وہ صحیح معنوں میں مجاہد وقت تھے پوری امت مسلمہ کا درد ان کے دل میں بھرا ہوا تھا۔سابق سوویت یونین نے افغانستان پر حملہ کیا تو وہ پہلے لیڈر تھے جو افغان عوام کی مدد کو پہنچے،انہوں نے بار بار کابل کا خفیہ دورہ کیا۔افغان مجاہدین کو منظم کیا،پشاور میں اپنا مکان ان کے لیے وقف کردیا۔جنرل ضیاء الحق تو بہت بعد میں اس گیم میں شامل ہوئے،بعد میں امریکہ نے افغان جہاد کو ہائی جیک کرلیا۔لیکن اس کے خلاف افغان جہاد کو منظم کرنے کا سہرا قاضی حسین احمد کے سر بندھتا ہے وہ مقبوضہ کشمیر میں بھی جہاد کو اسی انداز سے منظم کرنا چاہتے تھے،سب سے پہلے نواز شریف نے جو اس وقت وزیر اعظم تھے ان کوششوں کو سبوتاژ کیا اور ان پر جہاد فنڈ ہڑپ کرنے کا الزام لگایا پھر جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کے دباؤ پر جہاد کشمیر پر پابندیاں لگائیں اس طرح مقبوضہ کشمیر میں جہاد کی ناکامی کے ذمہ دار ہم لوگ خود ہیں،قاضی حسین احمد نے اپنی کوششوں میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔آمین

س : بعض مبصرین کے خیال میں کشمیر پر پاکستان کی کمزور پالیسی نے الحاق پاکستان کی آپشن کو کافی حد تک کمزور کیا ہے،کیا پاکستان کشمیر کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے؟

ج: پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے حل کے حوالے سے متعدد مواقع ضائع کیے ہیں اور یہ مواقع وہ تھے جن میں پاکستان اپنی طاقت کو بروئے کار لاکر ریاست جموں وکشمیر کو اپنا حصہ بنا سکتا تھا لیکن پاکستانی قائدین نے اپنی بے تدبیری سے یہ مواقع ضائع کردیے۔سب سے پہلا موقع تو وہ تھا جب تقسیم ہندوستان کے فوراً بعد کشمیری عوام اپنی آزادی کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور قبائلی مجاہدین بھی ان کی مدد کو آپہنچے تھے۔کشمیر کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھارت جنگ بندی کی اپیل لے کر اقوام متحدہ پہنچ گیا تھا اس نے عالمی ادارے کو یقین دلایا تھا کہ حالات معمول پر آتے ہی کشمیری عوام کو حق خودارادی کے ذریعے انہیں ان کا جائز حق دیدیا جائیگا۔پاکستانی قیادت دور اندیش ہوتی تو بھارت کے جھوٹے دعوے پر اعتبار کرنے کے بجائے جنگ اس وقت تک جاری رکھتی جب تک سرینگر پر پاکستان کا قبضہ نہ ہوجاتا،بھارت اس وقت نہایت کمزور پوزیشن میں تھا۔پاکستان سرینگر ائرپورٹ پر قبضہ کرکے بھارت کی کشمیر پر قبضے کی کوشش ناکام بنا سکتا تھا لیکن پاکستانی قیادت کے پاس کشمیر کو آزاد کروانے کی کوئی پلاننگ نہ تھی وہ بھارت کے جال میں آگئی۔دوسرا موقع 1962 میں چین نے پاکستان کو فراہم کیا جب چین اور بھارت کے درمیان سرحدی جھڑپیں جاری تھیں اور بھارتی فوج چین کے ساتھ الجھی ہوئی تھی ایسے میں چین کے وزیراعظم چو این لائی نے صدر جنرل ایوب خان کو پیغام بھیجا تھا کہ ہم نے بھارتی فوج کو انگیج کررکھا ہے تم فوج کشی کرکے کشمیر کو بھارتی قبضے سے چھڑا لو۔اس پیغام کی سن گن برطانیہ اور امریکہ کو لگ گئی۔ان کے سفارتی نمائندوں نے صدر ایوب کو گھیر لیا اور انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ وہ فوجی آپریشن نہ کریں ہم بات چیت کے ذریعے مسئلہ کشمیر حل کرادیں گے۔صدر ایوب ان کے فریب میں آگئے اور بھارت کے ساتھ وزرائے خارجہ کی سطح پر مذاکرات کا آغاز ہوگیا،پاکستان کی طرف سے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور بھارت کی طرف سے وزیر خارجہ سردار سورن سنگھ اپنے اپنے وفود کی قیادت کررہے تھے۔یہ لایعنی مذاکرات چھ ماہ تک جاری رہے اس دوران بھارت چین سرحد پر حالات معمول پر آگئے اور پنڈت نہرو نے مذاکرات ختم کرنے کا اعلان کردیا۔ممتاز نومسلم دانشور علامہ محمد اسد نے اپنی یادداشتوں میں انکشاف کیا ہے کہ جنگ بندی کے بعد پاک فوج کے چند افسروں نے پونچھ کے راستے بھارت کو کشمیر سے بیدخل کرنے کی پلاننگ کی تھی اس سیکٹر میں بھارت کی پوزیشن بہت کمزور تھی اور وہ پاک فوج کی یلغار کا سامنا نہیں کرسکتا تھا لیکن قبل اس کے کہ فوج پیش قدمی کرتی بھارت کو اپنے انٹیلی جنس ذرائع سے پاک فوج کی خفیہ نقل وحرکت کا پتہ چل گیا اس نے حملے کو رکوانے کے لئے برطانیہ سے رابطہ کیا۔برطانیہ نے سرظفر اللہ خان کے ذریعے وزیراعظم لیاقت علی خان پر دباؤ ڈالا یہ مسئلہ رکوادو۔واضح رہے کہ سرظفر اللہ لیاقت کابینہ میں وزیر خارجہ تھے۔علامہ اسد نے لکھا کہ اس حملے کے منصوبہ ساز میجر جنرل حمید تھے وہ لیاقت علی خان کے حکم سے اتنے دلبرداشتہ ہوئے کہ فوج

چھوڑ کر گھر چلے گئے۔میں نے فوج طاقت کے ذریعہ کشمیر بازیاب کرانے کے تین یاریخی مواقع کا ذکر کیا ہے جبکہ اس کے علاوہ بھی کئی مواقع ایسے آئے جب کشمیر کو بزورقوت آزاد کرایا جاسکتا تھا لیکن پاکستان کی عسکری قیادت ہمت نہ کرسکی اور وہ مواقع ضائع ہوگئے۔البتہ جنرل ضیاء الحق سے امید تھی کہ وہ یہ کام کرگزریں گے اس پر انہوں نے کام بھی شروع کیا تھا کہ امریکا نے انہیں طیارے کے حادثے میں مروادیا۔ایک اورموقع اس وقت آیا جب کشمیر میں جہاد کو فروغ حاصل ہوا۔افغانستان سے سوویت یونین کی رسوائی پسپائی کے بعد مجاہدین کشمیر کے حوصلے بلند تھے کہ وہ بھارت کو بھی اس طرح مقبوضہ کشمیر سے نکالنے میں کامیاب ہوجائیں گے لیکن امریکہ میں نائن الیون برپا ہوگیا اور سارمنظر نامہ ہی بدل کر رہ گیا۔تاہم یہ غنیمت ہے کہ جہادکشمیر سے پاکستان کی لاتعلقی کے باوجود مقبوضہ کشمیر میں جہاد اب بھی کسی نہ کسی صورمیں جاری ہے اور کشمیری عوام بھارت کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے ہیں۔اس سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ حالات کسی وقت بھی پلٹا کھاسکتے ہیں۔قرآن کا یہی پیغام ہے کہ ہمیں کسی حال میں بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔سید علی گیلانی بھی اپنی جدوجہد سے یہی پیغام دے گئے ہیں،انہیں کشمیر کی آزادی کا ایسا ہی یقین تھا جیسے سورج کے مشرق سے نکلنے کا۔اس لیے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

س: پاکستان ہمیشہ بھارت کے ساتھ غیر مشروط بات چیت کے لیے تیار رہے،موجودہ حالات میں کیا کشمیر کے سلگتے مسئلے کو حل کرنے کے لیے ابھی بھی کوئی امکان نظر آرہا جبکہ پاکستان اور بھارت کے درمیان مذاکرات کے سو سے زائد ادوار گذر چکے ہیں جن سے کوئی نتیجہ آج تک سامنے نہیں آیا؟

ج: آپ نے پوچھا ہے کہ کیا مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کا حل نکالا جاسکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کشمیر کے حل کی توقع رکھنا محض حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان سیکڑوں بار مذاکرات ہوچکے ہیں لیکن ان میں کشمیر تو کیا کشمیر کا کاف بھی زیر بحث نہیں آیا۔بھارت ابتدا ہی میں یہ کہہ دیتا ہے کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے اس پر بات نہیں ہوسکتی البتہ دونوں ملکوں کے درمیان اعتماد سازی پر بات ہونی چاہیے۔اس طرح کشمیر کو چھوڑ کر دیگر موضوعات پر مذاکرات چلتے رہتے ہیں لیکن اس کا بھی کبھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا اس لیے کہ دونوں ملکوں کے درمیان بے اعتمادی کی اصل وجہ مسئلہ کشمیر ہے جب تک یہ وجہ دور نہیں ہوتی بے اعتمادی برقرار رہے گی۔ یاد رکھیے مسئلہ کشمیر کبھی مذاکرات سے حل نہیں ہوگا یہ صرف اور صرف طاقت سے حل ہوسکتا ہے۔اگر پاکستان کے بازؤوں میں طاقت ہے اور وہ بھارت سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتا ہے تو مسئلہ کشمیر آج حل ہوسکتا ہے۔

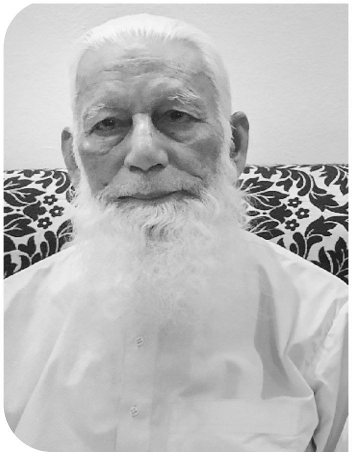

س OIC: آج تک کشمیر مسئلے پر صرف قراردادیں اور اعلامیے پاس کرتا رہا اسے بڑھ کر او آئی سی کوئی کردار ادا کرسکتی ہے؟

ج: او آئی سی کے بارے میں اتنا عرض کردوں کہ جس طرح تمام مسلمان ممالک امریکہ کے زیر اثر ہیں اسی طرح ان کی یہ تنظیم بھی امریکہ کے اثر میں ہے اور وہی اس کی پالیسیوں کو کنٹرول کرتا ہے۔اور آئی سی کو امریکہ نے جتنی آزادی دے رکھی ہے اتنی آزادی یہ تنظیم خوب بروئے کار لارہی ہے۔فلسطین اور کشمیر کے معاملے میں اسے معلوم ہے کہ اس کی حدود کیا ہیں اور وہ ان مسائل میں کس حد تک اپنی آزادی برت سکتی ہے۔اس لیے کشمیر کے معاملے میں اس سے کسی موثر کردوانے کی توقع رکھنا ایک لایعنی بات ہے۔ ہاں اگر یہ صحیح معنوں میں ایک آزاد و خود مختار تنظیم ہوتی تو یہ بھارت کا سفارتی و اقتصادی بائیکاٹ کرکے اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرسکتی تھی۔فلسطین کے معاملے میں بھی یہ تنظیم شدید منافقت کا شکار ہے،اس کے متعدد رکن ممالک اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرچکے ہیں یا خفیہ طور پر رابطے میں ہیں حتیٰ کہ سعودی عرب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔وہ بس زبانی فلسطینی مسلمانوں کی حمایت کرتے ہین ورنہ ان کے دل یہودیوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ بھارت نے سفارتی سطح پر عرب ملکوں میں بڑا کام کیا ہے اس نے وہاں زیادہ تر مسلمان سفیر تعینات کیے ہیں جو عربی جانتے ہیں اور عرب عوام کے ساتھ رابطے میں رہتے ہیں۔وہ انہیں یہ بتاتے رہتے ہیں کہ بھارت میں مسلمانوں کی تعداد پاکستان سے زیادہ ہے اور وہ اپنے مذہب کے مطابق سکون کی زندگی گزار رہے ہیں اسی طرح کشمیری مسلمان بھی بھارت کے ساتھ خوش ہیں۔یہ پاکستان ہے جس سے کشمیر کا مسئلہ شروع کر رکھا ہے اور دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے۔ان ملکوں میں ہندؤوں کے ساتھ بھارتی مسلمانوں کی بڑی تعداد کام کررہی ہے وہ بھی اپنے ملک کی مثبت تصویر پیش کرتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ان ملکوں میں پاکستانی سفیر تعینات کیے جاتے ان میں اکثر کو عربی نہیں آتی۔وہ عرب عوام سے کیا وہاں کام کرنے والے پاکستانیوں سے بھی رابطہ نہیں رکھتے۔اس طرح پاکستان نے خود عرب ملکوں میں اپنا کیس ہار دیا ہے۔عرب عوام کو مسئلہ کشمیر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہی عدم دلچسپی عرب حکومتوں کو بھی ہے۔

☆کشمیرالیوم کے قارئین کیلئے آپ کا پیغام

ج: کشمیر الیوم ایک نظریاتی پرچہ ہے۔میرا کشمیر الیوم کے قارئین کے لیے یہی پیغام ہے کہ وہ اس کے نظریے کے ساتھ جڑے رہیں اور اپنے دل میں امید کا نغمہ گنگناتے رہیں کہ

یہ نغمہ فصل گِل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہوکہ خزاں لاالہ الااللہ

آپ نے پوچھا ہے!!!...

بلا اجازت کسی کے کمرے میں داخل ہونا

سوال ۔۔۔میری نند/بھابھی سونے سے پہلے میرے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔کبھی میں سوئی ہوتی ہوں کبھی جاگی رہتی ہوں مجھے ان کا یہ فعل عجیب لگتا ہے میری رہنمائی فرمائیں میں کیا کروں؟

جواب ۔۔۔بغیر اجازت کسی کے کمرے یا گھر میں داخل ہونا جائز نہیں لہٰذا آپ کی نند/بھابی کا آپ کا کمرے میں بغیر اجازت کے داخل ہونا وہ بھی خاص آرام کے اوقات میں جائز نہیں آپ کی نند/بھابھی کو آپ سے اجازت لینی چاہیے اچانک کمرے میں داخل نہیں ہونا چاہیے آپ اپنی بھابھی/نند کو اچھے طریقے سے سمجھا دیں کہ آئندہ اس بات کا خیال رکھیں کیونکہ قرآن حکیم میں بھی اللہ تعالی نے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو تم اپنے خاص رہنے کے گھروں کے سوا دوسرے کے گھروں میں مت داخل ہو جب ان سے اجازت حاصل نہ کرلو اجازت لینے سے قبل ان کے رہنے والوں کو سلام نہ کرلو یہی تمہارے لیے بہتر ہے یہ بات تم کو اس لیے بتائی ہے تاکہ تم خیال رکھو اس پہ عمل کرو * مفتی شفیع رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تنبیہ ضروری آج کل اکثر لوگوں کو استیزان/اجازت کی طرف کوئی توجہ نہیں باقی رہی اس عمل کو ترک کرنا ایک ایک امر وجوب کا گناہ ہے (پردہ اور اجازت لازمی ہے)

سر کے بالوں کو کاٹنا یا مخصوص انداز بنانا

سوال ۔۔۔ہمارے علاقے میں خواتین سر کے اگلے حصے سے کچھ بال کاٹتی ہیں کیا اس طرح کا کام کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب ۔۔۔گھنے اور لمبے بال عورتوں کے لیے باعث زینت ہیں تفسیر روح البیان میں ہے کہ آسمان میں بعض فرشتوں کی تسبیح کے الفاظ یہ ہیں پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی ہے اور تو کچھ چوٹیوں سے عورتوں کا بلا عذر سر کے بالوں کا بال کاٹنا اور مردوں کی مشابت اختیار کرنا ناجائز ہے ایسی عورتوں پہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے مشکوٰۃ شریف کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالی کی لعنت ہے ان مردوں پہ جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پہ جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں البتہ اگر شرعی عذر ہے مثلاً علاج کی غرض سے بال کٹوانے ہوں یا بال اتنے طویل ہو جائیں کہ سرین (کمر سے بھی نیچے تک پہنچ جائیں) اور عیب دار معلوم ہو تو فقط زائد بالوں کا کاٹنا جائز ہوگا حاصل یہ ہے کہ عورتوں کا مردوں کی مشابہت یا فیشن کے طور پہ بال کاٹنا ناجائز ہے حتی کہ اس معاملے میں شوہر کی اطاعت بھی جائز نہیں ۔۔تفسیر روح البیان میں لکھا کہ خواتین کا فیشن کے طور پہ سر کے اگلے حصے کے بال کٹوانا جائز نہیں ہے۔

بچے کی صفائی اور پمپرز تبدیل کرنے کے بعد وضو

سوال ۔۔۔کیا بچے کی نجاست صاف کرنے کے بعد ماں کو دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے اگر نہیں ہے تو کس عمر تک اور اگر ہے تو کس عمر تک؟

جواب ۔۔۔کسی بھی عمر کے بچے کی پمپرز یا نجاست صاف کرنے کے بعد ماں کا دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں ہے وضو صرف ان چیزوں سے ٹوٹتا ہے وضو توڑنے والی چیزیں درجہ ذیل ہیں
۱۔ پاخانہ یا پیشاب کی جگہ سے کسی چیز کا نکلنا۔ ۲۔جسم سے خون یا پیپ کا نکل کے مخرج سے پاک جگہ پہ پہنچنا۔ ۳۔ٹیک لگا کے سونا۔ ۴۔منہ بھر کے قے کا آنا: ۵۔بالغ کے نماز جنازہ کے علاوہ نماز کے اندر قہقہہ لگانا۔ ۶۔بے ہوشی یا مباشرت یعنی میاں بیوی کا ازدواجی حقوق کے لیے ملنا۔البتہ بچے کی نجاست سے صاف کرتے ہوئے، ماں کے کپڑے یا بدن کسی حصے پہ لگے اسے پاک کرنا ضروری ہے فقط واللہ عالم بالصواب

زبردستی تبلیغ کے لئے یا اجتماع لیے کر جانا

سوال ۔۔۔تبلیغی جماعت والے زبردستی چار ماہ کی جماعت تشکیل دیتے ہیں کیا یہ صحیح ہے جب تبلیغ جماعت والے چار ماہ کی تشکیل دے انہیں گشت کرنے کیلئے کہتے ہیں اور ہم انہیں عذر/مجبوری بتاتے ہیں تو یہی کہتے ہیں اللہ پورا کرے گا ہم کوئی بھی عذر بتاتے ہیں تو جماعت والے بھائی ایک ہی بات بولتے ہیں سب کچھ اللہ کرنے والا ہے چار ماہ میں نکل جاؤ کہ یہ کہنا ان کے لیے صحیح ہے؟

جواب ۔۔۔واضح رہے تبلیغ/یا دینی اجتماع میں وقت لگانا اصلاح ہے اور دین کی دعوت کے لیے بہت مفید ہے لیکن اس میں افراد/شرکاء کی نوعیت اور نجی معاملات کا خیال رکھنا چاہیے مصلحت کے ساتھ ترغیب دینی چاہیے اگر کوئی شخص عذر کا اظہار کرے تو بلاوجہ جبر نہیں کرنا چاہیے۔عذر پیش کرتے وقت یہ کہنا کہ سب کچھ اللہ کرنے والا ہے تم چار ماہ میں نکل جاؤ یا اجتماع کے لیے نکل جاؤ تو یہ توکل کے خلاف ہے اس لیے کہ توکل کہتے ہیں اسباب اختیار کرنے کے بعد اللہ پہ اپنا معاملہ چھوڑ دینا۔اگر کوئی شخص کسی عذر کی بنا پہ وقت نہیں لگا سکتا یا نہیں جا سکتا تو اسے نکلنے پہ مجبور نہ کیا جائے۔

منافع رکھنے کی حد کہاں تک رکھنی چاہئیے

سوال ۔۔۔ایک بندہ شہد کا کاروبار کرتا ہے شہد فی کلو 2800 روپے کے حساب سے لیتا ہے پھر وہی 35 سو روپے کے حساب سے بیچتا ہے تو کیا اتنا بڑا نفع جائز ہے قران وحدیث کی روشنی میں نفع کے بارے میں جواب عنایت فرما دیں ۔؟

جواب ۔۔۔اصولی طور پر کاروبار میں نفع کوئی مقرر نہیں ۔دھوکہ دیئے بغیر نفع میں ایک مقرر اور مناسب حد تک وصول کر سکتا ہے البتہ بازاری قیمت سے غیر معمولی زیادہ قیمت وصول کرنا مناسب نہیں ہے۔نفع جہاں تک چاہیے لیکن کسی کو دھوکہ نہ دے۔واضح رہے کہ غذائی بحران کی صورت میں حکومت کی طرف سے غذائی اجناس کی قیمت یا نفع کی شرح مقرر کرنے کی گنجائش ہے غذائی اجناس کے علاوہ دیگر چیزوں کی قیمت اعتدال کے مطابق رکھنی چاہے۔جب غذائی بحران ہو تو غذائی اشیاء کی قیمت بائع اور مشتری کی باہم رضامندی سے جو بھی طے ہو جائے جائز ہے اس کا کوئی حد مقرر نہیں البتہ جہاں کسی چیز کی شدید ضرورت ہو اور بازار میں اس چیز کی نہ ہونے سے انسان

متاثر ہورہے ہوں اور بیچنے والا اس دوران طے شدہ قیمت سے زیادہ وصول کرے اس چیز کی قیمت خرید کی نصف کے برابر یا اس سے زیادہ تو فقہاء نے ایسی صورت کو غبن فاحش (کھلا دھوکہ) قرار دیا ہے، اور اسے ناجائز وممنوع کہا ہے۔

پسند کی شادی اور نکاح سے قبل بات چیت کرنا

سوال۔۔۔پسند کی شادی کرنا اور نامحرم سے فون پہ بات کرنا کیا لڑکا لڑکی کو پسند سے محبت کرکے نکاح کرنا درست ہے کیا لڑکا لڑکی موبائل فون پہ بات کرسکتے ہیں؟

جواب۔۔۔عمومی طور پر پسند کی شادی میں وقتی جذبات اور عمرانی کشش محرک بن جاتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ یہ جذبات کمزور پڑتے ہیں، نتیجتاً اکثر ایسی شادیاں ناکامی اور علیحدگی تک جا پہنچتی ہیں۔ اس کے برعکس، خاندان کے تجربہ کار والدین اور بزرگ رشتے کی موزونیت، خاندان، مزاج اور عادات کا بہتر انداز میں جائزہ لیتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کے طے کردہ رشتے زیادہ پائیدار اور کامیاب ثابت ہوتے ہیں۔ شریف گھرانوں میں ہمیشہ یہی طریقہ کار رائج رہا ہے، اور اکثر اوقات ابتدائی ناپسندیدگی بھی وقت کے ساتھ گہری محبت اور مضبوط تعلق میں بدل جاتی ہے۔

اسی لیے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی بغیر سوچے سمجھے اپنی زندگی کا بڑا فیصلہ خود اٹھانے کے بجائے اپنے بڑوں پر اعتماد کریں اور ان کی رضامندی کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ شریعت مطہرہ نے بھی نکاح کے معاملے میں والدین اور سرپرستوں کے اختیار کو اسی حکمت کے تحت رکھا ہے تاکہ اولاد کو معاشرتی، اخلاقی اور نفسیاتی خرابیوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ بغیر کسی شرعی مجبوری کے خاندان کے بڑوں کی موجودگی میں ان سے ہٹ کر خود فیصلے کرنا گویا اللہ کی نعمت (سرپرستی) کی ناقدری ہے۔ تاریخ اور مشاہدات اس بات سے بھرے پڑے ہیں کہ کسی کے دھوکے، فریب یا وقتی جذبات میں بہہ کر کیے گئے فیصلے بعد میں پوری زندگی کو مشکل بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا پسند کی بنیاد پر شادی کرنا شرعاً اور اخلاقاً مناسب نہیں اور اس سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔ نمبر دو: اجنبی مرد اور عورت کا موبائل فون، میسج یا کسی بھی ذریعے سے آپس میں بات چیت کرنا شرعاً ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ اس سے فتنہ، غلط فہمیاں اور بے راہ روی کے دروازے کھلتے ہیں۔ شریعت کا مزاج یہی ہے کہ بداخلاقی اور بے احتیاطی کے تمام ممکنہ اسباب سے بھی بچا جائے۔

عمرہ پر ممانی کو ساتھ لیکر جانا

سوال۔۔۔میرا ان شاءاللہ عمرے پہ جانے کا ارادہ ہے میں اپنی بیگم کے ساتھ میری ممانی جن کی عمر 50 کے قریب ہے اور ساتھ جانا چاہتی ہیں میرے ماموں اجازت دے دی ہے اور بتایا ہے کہ ایک پیپر بنے گا جس پر میں اجازت دوں گا پوچھنا یہ ہے کیا میری ممانی عمرے پہ میرے ساتھ جاسکتی ہیں؟

جواب۔۔۔واضح رہے کہ عورتوں کے لیے سفر شرعی کی مسافت 48 میل یا اس سے زیادہ بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں خواہ عورت جوان ہو یا بوڑھی تنہا یا اس کے ساتھ دیگر عورتیں ہوں کسی بھی حالت میں جانا جائز نہیں ہے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ یعنی جو عورت اللہ اور قیامت کے دن پہ یقین رکھتی ہے اس کے لیے حلال نہیں وہ محرم کے بغیر تین رات کا سفر کرے اپ اپنی ممانی کے لیے محرم نہیں ہیں اس لیے اپ کی ممانی پہ لازم ہے اگر وہ عمرے پہ جانا چاہتی ہیں تو اپنے کسی محرم کے ساتھ عمرے پہ جائیں آپ کے ماموں کی طرف سے اجازت دینا کافی نہیں ہے بہرحال بغیر محرم کے عمرے پہ جانا جائز نہیں ہے۔

مفتی صاحب سے آپ اس نمبر اور ای میل پر رابطہ کرسکتے ہیں

03005259116
Taibahfoundation1@gmail.com

ترے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں
ستم ہو کہ ہو وعدۂ بے حجابی
کوئی بات صبر آزما چاہتا ہوں
یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں
ذرا سا تو دل ہوں مگر شوخ اتنا
وہی لن ترانی سنا چاہتا ہوں
کوئی دم کا مہماں ہوں اے اہل محفل
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں
بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی
بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں

علامہ محمد اقبالؒ

شہیدوفا۔۔عبدالرشید کارعرف ارشد ایوبؒ

اعجاز نازکی

سرزمین کشمیر نے اپنے دامن میں بے شمار جانبازوں کو جنم دیا ہے،مگر کچھ نام ایسے ہیں جو تاریخ کے سینے پر ہمیشہ کے لیے ثبت ہو جاتے ہیں۔انہی میں سے ایک نام ہے عبدالرشید کار عرف ارشد ایوب شہید ہے۔وہ مردمجاہد جو دشمن کے سامنے فولاد کی طرح سخت اور اپنے ساتھیوں کے لیے ابریشم کی مانند نرم تھے۔ان کی شہادت صرف ایک فرد کی جدائی نہیں،بلکہ ایک عہد،ایک نظریے اور ایک جذبے کی تکمیل تھی۔ارشد ایوبؒ وہ شخصیت تھے جنہیں کشمیر کے پہاڑ،جنگل،وادیاں،مورچے اور محاذ بخوبی جانتے تھے۔دشمن ان کی جرأت سے خائف اور ساتھی ان کی شفقت سے مسحور رہتے تھے۔سینکڑوں تیر بہدف کارروائیاں،دشمن سے چھینے گئے اسلحے کے ڈھیر،اور وہ بے خوف مسکراہٹ......سب کچھ جیسے ان کے نام کے ساتھ ایک تاریخ بن چکا تھا۔وہ کہا کرتے تھے،بندوق انسان بناتا ہے، جذبہ اللہ دیتا ہے اور جسے اللہ جذبہ دے،اس کے مقابلے میں دنیا کی کوئی فوج کھڑی نہیں رہ سکتی۔ارشد ایوبؒ اکثر کہا کرتے کہ کشمیر کی مائیں،بہنیں اور بیٹیاں ہم سے زیادہ باہمت ہیں۔

تھے۔آزاد کشمیر کی طرف جب وہ پہلی بار خونی لکیر پھلانگ کر پہنچے تو سرحدی حد بندی پر پاکستان کا جھنڈا نصب کرنا ان کا پہلا کام تھا۔وہی مقام جہاں انسانی آوازوں سے زیادہ جنات کی صدائیں سنائی دیتی تھیں۔ان کے ساتھی اکبر بھائی اور شہید عبدالباقی قریشی کے بقول،ارشد ایوب صرف مجاہد نہیں، قائد مجاہدین بھی ہیں۔نوے کی دہائی کے اوائل میں انہیں ضلع

کپواڑہ کا ملٹری ایڈوائزر مقرر کیا گیا۔ہم سب انہیں مبارکباد دینے نکلے،مگر پچاس کلومیٹر کا سفر جیسے ایک پوری کتاب بن گیا۔ہمیں ایک چٹ دے دی گئی جس میں لکھا تھا کہ ڈبل روٹی،

> جب وہ محاذ پر گھیرے گئے تو دشمن نے انہیں زندہ حوالگی کی پیشکش کی۔ایک اعلیٰ فوجی افسر نے بعد میں اعتراف کیا کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے شہادت کو ترجیح دی۔ہمیں اس دشمن کو سلامی پیش کرنی پڑی۔یہ اعتراف صرف ایک فرد کی عظمت نہیں،ایک نظریے اور ایمان کی صداقت کا اعلان تھا۔وہ اللہ کی قدرت کا انمول تحفہ تھے،ایمان،فہم،حکمت، جرأت اور ثابت قدمی کا مجموعہ

انہیں موت سے کیا خوف؟ وہ تو بچپن سے اپنے بیٹوں کو تعلق باللہ اور جہاد کے وہ گر سکھا دیتی تھیں جو کسی فوجی اکیڈمی میں نہیں پڑھائے جاتے۔ارشد ایوبؒ خود خالد بن ولیدؓ کے عاشق تھے اور ان کے غزوات کو اپنی عملی زندگی کا نصاب قرار دیتے

ڈرائی فروٹ ساتھ رکھئے......اگلے مورچے میں مہمان نوازی کی حدود بدل جاتی ہیں۔مورچے میں ریچھ کی کھال کو بجلی سے حرکت دے کر دشمن کو دھوکہ دینے کا انوکھا طریقہ تھا۔دشمن سو گز کے فاصلے پر تھا،مگر حکم تھا کوئی فائر نہیں کرنا...... ارشد ایوب ابھی

موجود ہیں۔نقاب میں چھپے اس شخص نے جب جھپٹ کر اپنا تعارف کرایا تو سانس رک گئی۔۔وہ ارشد ایوبؒ ہی تھے۔ارشد ایوبؒ کا نظریہ واضح تھا کشمیر محض سرزمین نہیں، پاکستان کی دفاعی پٹی ہے۔یہاں کی کمزوری اسلام آباد کی کمزوری ہے۔یہی وہ مقدمہ ہے جسے ہمارے بزرگوں نے بھی دہراتے ہوئے کہا تھا کہ مملکت خداداد پاکستان محض جغرافیہ نہیں، بلکہ ایک الٰہی امانت ہے، جس کی حفاظت بھی اللہ کے ذمہ ہے۔علامہ اقبالؒ نے شاید انہی مجاہدین کے لیے فرمایا تھا:

موت ہے وہ زندگی جس میں نہ ہو انقلاب
روح امم کی حیات کشمکش انقلاب

آزاد کشمیر پہنچ کر جب ارشد ایوبؒ نے جنگی پوشاک زیب تن کی تو یہ ان کا اعلان تھا کہ اب زندگی کا ہر قدم شہادت کی طرف لے جائے گا۔اسی دوران انہیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان بابائے ایٹم بم سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا۔دو مرد مومن، دو محافظ وطن، ایک ہی فکری کڑی میں جڑے ہوئے۔بھارت کی فوجی خفیہ رپورٹس میں لکھا گیا ہے۔اگر ارشد ایوب جیسے کمانڈر چند سال اور فعال رہے تو کشمیر میں قدم جمانا ہمارے لیے ناممکن ہو جائے گا۔وہ پیدائشی گوریلے تھے،انہیں صرف طریقہ نہیں،میدان کا مزاج بھی ازبر تھا۔ان کی کارروائیوں میں سینکڑوں بھارتی فوجی مارے گئے بی یہ ریکارڈ آج بھی خفیہ فائلوں میں دشمن کا خوف بن کر محفوظ ہے۔

جب وہ محاذ پر گھیرے گئے تو دشمن نے انہیں زندہ حوالگی کی پیشکش کی۔ایک اعلیٰ فوجی افسر نے بعد میں اعتراف کیا کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کے بجائے شہادت کو ترجیح دی۔ہمیں اس دشمن کو سلامی پیش کرنی پڑی۔یہ اعتراف صرف ایک فرد کی عظمت نہیں، ایک نظریے اور ایمان کی صداقت کا اعلان تھا۔وہ اللہ کی قدرت کا انمول تحفہ تھے،ایمان،فہم،حکمت، جرأت اور ثابت قدمی کا مجموعہ۔کشمیر کی تحریک آزادی میں ان کا نام ان عظیم کرداروں کی صف میں شامل ہے جو جسمانی طور پر تو مٹ جاتے ہیں مگر اپنے نظریے کو امر کر جاتے ہیں۔ارشد ایوبؒ جیسے شہید محاذ چھوڑتے نہیں،بس مورچہ بدلتے ہیں......زمین سے آسمان تک۔اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

کشمیریوں کے خلاف بڑھتی ہوئی نفرت

محمد فردوس بابا

اگر گزشتہ دہائی کے سیاسی منظرنامے کو غور سے دیکھا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ 2014ء سے بالعموم اور 2019ء سے بالخصوص کشمیریوں کے خلاف نفرت میں خوفناک اور بہت تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔ 2019ء کا پلوامہ دھماکہ محض ایک واقعہ نہ رہا، بلکہ نفرت کی جڑ بن گیا۔ اس کے بعد سے کشمیری مزاحمت کا ہر عمل اور بھارتی ریاست کی طرف سے ترتیب دیے گئے ہر جھوٹے فلیگ آپریشن کو بھارتی عوامی جذبات کو مزید بھڑکانے کے لیے استعمال کیا گیا۔ نفرت کو نہ صرف ابھارا گیا بلکہ تیار کیا گیا، سنوارا گیا اور پھر بھارتی قومی نفسیات میں مستقل حیثیت سے اسے محفوظ کر دیا گیا۔

مگر یہ بھی ایک عیاں حقیقت ہے کہ یہ نفرت نہ تو نئی ہے اور نہ اچانک پیدا ہوئی ہے۔ چودھویں صدی سے، جب کشمیریوں کی غالب اکثریت نے اپنی مرضی اور بلا کسی خوف و دباؤ کے شاہ ہمدان رحمت اللہ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا تو ایک نہایت معمولی اقلیت نے لوگوں کی اس تبدیلی مذہب کو ہضم نہ کیا اور انہوں نے اس تبدیلی کے خلاف ایک متضاد بیانیہ تخلیق کیا جس میں کشمیری مسلمانوں کو مندر توڑنے والے، مقدسات کی بے حرمتی کرنے والے اور ظالم قرار دیا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس بیانئے کو مزید تقویت دی گئی۔ 90ء کی دہائی میں اس بیانئے کی سب سے مہلک شکل سامنے آئی، جب کشمیریوں نے بھارتی قبضے کے خلاف مسلح مزاحمت شروع کی تو نئی دہلی نے موقع غنیمت جانا اور بھارتی ریاست کے حکمرانوں اور ہندوتوا کے پرستاروں نے کشمیری پنڈتوں کی ہجرت کا الزام مسلمان اکثریت پر لگا دیا، جبکہ یہ کارنامہ ان کے اپنے مقرر کردہ گورنر جگ موہن نے انجام دیا۔ درحقیقت یہ جگ موہن ہی تھا جس نے ان کی بے دخلی کو منظم اور آسان بنایا تا کہ کشمیری مسلمانوں کے وحشیانہ قتل عام کا راستہ کھل جائے۔ اور بالکل منصوبے کے مطابق، پنڈتوں کے روانہ ہونے کے صرف چند دنوں بعد ہی ہزاروں کشمیری مسلمانوں کا خون بہایا گیا اور جدید تاریخ کے سب سے وحشیانہ فوجی آپریشنز کا آغاز ہوا۔

آج یہ نفرت اس درجہ بڑھ چکی ہے کہ ہر کشمیری کو غیر معمولی نفسیاتی دباؤ میں زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ حد سے زیادہ شائستہ، حد سے زیادہ صابر اور حد سے زیادہ پرامن رہے، اور مسلسل اپنی پرامن فطرت ثابت کرتا پھرے، ان لوگوں کے سامنے جو نہ اس کی تاریخ کو سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنا چاہتے۔ اس پر براہ راست اور بالواسطہ دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اپنی ہی اس مزاحمتی تحریک سے بھی لاتعلقی اختیار کرلے جو اس نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے شروع کی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ کشمیریوں پر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اس ملک سے غداری کر رہے ہیں جس کی وفاداری کا حلف انہوں نے کبھی لیا ہی نہیں، جس میں وہ کبھی رضامندی سے شامل نہیں ہوئے اور جسے وہ کبھی اپنا ملک نہیں سمجھتے۔ حق خود ارادیت کا مطالبہ، جس کا بھارت کے پہلے وزیر اعظم نے اقوام متحدہ میں کھلے عام وعدہ کیا تھا، تضحیک اور جرم قرار دیا جا رہا ہے۔

اس تناظر میں بھارت نے ایک بار پھر وہی پرانا ڈرامہ شروع کر دیا ہے، جس میں کشمیریوں کو مستقل ملزم بنا کر پیش کیا جاتا ہے اور ریاستی مشینری ''سیکیورٹی'' کے لبادے میں انتقام کے جذبے کے ساتھ حرکت میں آجاتی ہے۔ دہلی دھماکہ، جو ابھی تک غیر یقینی صورتحال اور بے جواب سوالات میں لپٹا ہوا ہے، کشمیریوں کے خلاف گرفتاریوں، چھاپوں، تفتیشوں اور نفسیاتی جنگ کی نئی لہر کے لیے ایک نیا بہانہ بن گیا ہے۔ کوئی دھماکہ ہو، کوئی واقعہ پیش آئے یا تشدد کی کوئی سرسراہٹ سنائی دے، بھارتی ریاست کا سب سے پہلا ردعمل کشمیریوں کی سزا اور پروفائلنگ ہوتا ہے۔

ہر کشمیری کو غیر معمولی نفسیاتی دباؤ میں زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ اس سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ حد سے زیادہ شائستہ، حد سے زیادہ صابر اور حد سے زیادہ پرامن رہے، اور مسلسل اپنی پرامن فطرت ثابت کرتا پھرے، ان لوگوں کے سامنے جو نہ اس کی تاریخ کو سمجھتے ہیں اور نہ سمجھنا چاہتے۔ اس پر براہ راست اور بالواسطہ دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اپنی ہی اس مزاحمتی تحریک سے بھی لاتعلقی اختیار کرلے جو اس نے اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے شروع کی ہے۔

دہلی کے مبینہ واقعے سے بھی پہلے، ہزاروں کشمیریوں کو جن میں طلبہ، مزدور، تاجر اور مسافر شامل ہیں بی وادی کشمیر میں ''پری ایمپٹو ڈیٹینشن'' کے نام پر گھیر کر پکڑ لیا گیا تھا۔ 9 نومبر 2025ء کو ضلع اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ایک ڈاکٹر کو سری نگر میں کشمیر کی آزادی کے حق میں پوسٹرز لگانے کے الزام پر بھارتی ریاست اتر پردیش کے شہر سہارنپور میں گرفتار کیا گیا ہے جو وہاں ایک نجی اسپتال میں کام کر رہا تھا۔ پولیس نے الزام عائد کیا ہے کہ ڈاکٹر عادل احمد کی شناخت سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے ہوئی ہے جس میں اسے سرینگر کے متعدد مقامات پر پوسٹرز لگاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ 11 نومبر 2025ء کو ضلع پلوامہ، شوپیاں، سرینگر، بڈگام، ہندواڑہ، کولگام اور گاندربل کے علاقوں میں بھارتی فوج اور پولیس اہلکاروں اور دیگر ایجنسیوں نے صرف تین دنوں کے دوران محاصرے اور تلاشی کی مہم تیز کرتے ہوئے تقریباً 1500 افراد کو پوچھ گچھ کے لیے گرفتار کر لیا۔ گرفتار کیے گئے نوجوانوں میں ڈاکٹر مزمل احمد گنائی اور ڈاکٹر عدیل احمد کے علاوہ عارف نثار ڈار، یاسر الاشرف، مقصود احمد ڈار، مولوی عرفان احمد اور ضمیر احمد آہنگر بھی شامل ہیں۔ ان کارروائیوں کا بنیادی ہدف آزادی پسند کارکن اور ان کے ہمدرد تھے، جن کے مکان اور بینک کے دستاویزات، ڈیجیٹل آلات، کتابیں اور دیگر اشیا ضبط کیے گئے۔ اور دہلی دھماکے کے بعد گرفتاریاں ہر آدھے گھنٹے بعد میٹرو نوٹ کی طرح ہو رہی ہیں۔

بریکنگ نیوز کی ہیڈلائن'' دہلی دھماکہ کیس میں ایک اور کشمیری گرفتار'' اتنی بار دہرایا جا رہا ہے کہ وہ بھارت کا قومی نعرہ لگنے لگا ہے۔ اب وہ خاص طور پر اور دانستہ طور پر کشمیریوں کے دانشور طبقے کو نشانہ بنا رہے ہیں، وائٹ کالر دہشت گردی جیسے نئے اصطلاحات گھڑ کر ہر کشمیری کے سر پر شک کا بادل چڑھا رہے ہیں اور مسلمان ہونے کی سزا دے رہے ہیں، تا کہ ایک ایسا ماحول بنایا جائے جہاں ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر اور محققین کو بغیر کسی جواز کے ستایا جا سکے۔ 13 نومبر 2025ء کو بھارتی تحقیقاتی ایجنسیوں نے دلی میں لال قلعے کے قریب ہونے والے حالیہ دھماکے کی آڑ میں ڈاکٹر عمر النبی اور مزمل احمد گنائی سمیت 57 ڈاکٹروں کو دھماکے میں ملوث کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں دہلی پولیس کی تفتیشی ٹیمیں وادی میں پہنچی جہاں انہوں نے اس منصوبے میں تین ڈاکٹروں اور خواتین سمیت 1700 سے زائد کشمیریوں کو حراست میں لیا، جن میں سے بہت سوں کو پبلک سیفٹی ایکٹ اور یو اے پی اے جیسے کالے قوانین کے تحت جیل بھیج دیا گیا ہے۔ بھارتی قابض انتظامیہ نے سیاسی اور دینی تنظیموں کے خلاف اپنی کارروائی جاری رکھتے ہوئے جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر اور دیگر حریت پسند تنظیموں کے اراکین اور کارکنوں کے گھروں پر چھاپے مار کر مکینوں کو ہراساں کیا اور بینک اور مکانوں کے اہم کاغذات، موبائل فون اور لیپ ٹاپ وغیرہ قبضے میں لے لئے۔ ضلع پونچھ میں پولیس نے ایک کشمیری محمد اقبال کی جائیداد، جس کی مالیت تقریباً ایک کروڑ 11 روپے ہے، ضبط کر لی۔ بھارتی فوج، بھارتی پولیس، اور کاونٹر انٹیلی جنس کشمیر کے اہلکاروں نے وادی کشمیر کے اسلام آباد، پلوامہ اور کولگام اضلاع کے علاوہ جموں خطے کے ضلع ڈوڈہ میں تقریباً 13 مقامات پر چھاپے مارے اور آزادی پسند کارکنوں، کشمیری پیشہ ور افراد اور عام شہریوں کے گھروں کو نشانہ بنایا۔ 15 نومبر 2025ء کو گرمائی دارالحکومت سری نگر کے مضافات میں واقع نوگام تھانے میں ہونے والے ایک پراسرار دھماکے میں کم از کم 9 پولیس اہلکار ہلاک جبکہ 30 کے لگ بھگ زخمی ہو گئے ہیں۔ یہ تمام کے تمام مسلمان ہیں۔ دھماکہ اس وقت ہوا جب پولیس کی ایک ٹیم تھانے میں رکھے گئے دھماکہ خیز مواد کی جانچ کر رہی تھی۔ قبل ازیں بھارتی حکام نے بھارتی ریاست ہریانہ کے علاقے فرید آباد میں ایک کرائے کے مکان سے 360 کلو گرام دھماکہ خیز مواد کی برآمدگی کا دعویٰ کیا تھا۔ مواد کا کچھ حصہ جانچ کے لیے نوگام تھانے میں لایا گیا تھا۔ حکام نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ فرید آباد کے جس مکان سے دھماکہ کا مواد برآمد کیا گیا اس میں ایک کشمیری ڈاکٹر مزمل

> بریکنگ نیوز کی ہیڈلائن'' دہلی دھماکہ کیس میں ایک اور کشمیری گرفتار'' اتنی بار دہرایا جا رہا ہے کہ وہ بھارت کا قومی نعرہ لگنے لگا ہے۔ اب وہ خاص طور پر اور دانستہ طور پر کشمیریوں کے دانشور طبقے کو نشانہ بنا رہے ہیں، وائٹ کالر دہشت گردی جیسے نئے اصطلاحات گھڑ کر ہر کشمیری کے سر پر شک کا بادل چڑھا رہے ہیں اور مسلمان ہونے کی سزا دے رہے ہیں، تا کہ ایک ایسا ماحول بنایا جائے جہاں ڈاکٹر، وکیل، پروفیسر اور محققین کو بغیر کسی جواز کے ستایا جا سکے

گنائی رہائشی پذیر تھا۔ پولیس نے مزمل گنائی کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ یہاں یہ سوال تو پیدا ہوا کہ جب وادی میں ہوئے بم دھماکوں میں شامل مواد کو دہلی فرانزک ٹیسٹ کیلئے لیا جاتا تھا تو اب کی باریکیوں دہلی اور یوپی کی جدید ترین فرانزک لیبارٹریز پر کشمیر کے ایک دور دراز دیہات کے تھانے والی فرانزک لیبارٹری کا انتخاب کیوں کیا گیا۔

بات یہ نہیں کہ پہلے وہ ان پیشوں سے وابستہ لوگوں کو نشانہ نہیں بناتے تھے، انہوں نے ماضی میں سینکڑوں ایسے افراد کو قتل کیا ہے۔ لیکن اب ان افراد کے خلاف تشدد کشمیری دانشور برادری کے پورے طبقے کے خلاف ایک مکمل حملے کی شکل اختیار کر چکا

> آج کا بھارت سو فیصد اسلام مخالف اور کشمیر مخالف بیانئے کے ایندھن پر چل رہا ہے اور لگتا ہے کہ ہندوتوا کے پرستاروں کو ایک مستقل دشمن اور ولن کی ضرورت ہے جس کے وجود سے ریاستی جبر، نفرت کی مشینری اور ہندوتوا کے نظریاتی خوابوں کو جواز ملتا رہے۔ اس کردار کے لیے کشمیریوں سے بہتر کوئی کردار نہیں۔ بقول ان کی فلاسفی کے کہ کشمیری ظاہری طور پر سیدھے سادھے مسلمان لیکن سیاسی طور پر سرکش ہیں۔ یا اس سوچ کا احاطہ معروف کشمیری نژاد امریکن مصنفہ اطہر ضیا نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''قابل قتل'' قوم ہے۔

ہے۔ آج کا بھارت سو فیصد اسلام مخالف اور کشمیر مخالف بیانئے کے ایندھن پر چل رہا ہے اور لگتا ہے کہ ہندوتوا کے پرستاروں کو ایک مستقل دشمن اور ولن کی ضرورت ہے جس کے وجود سے ریاستی جبر، نفرت کی مشینری اور ہندوتوا کے نظریاتی خوابوں کو جواز ملتا رہے۔ اس کردار کے لیے کشمیریوں سے بہتر کوئی کردار نہیں۔ بقول ان کی فلاسفی کے کہ کشمیری ظاہری طور پر سیدھے سادھے مسلمان لیکن سیاسی طور پر سرکش ہیں۔ یا اس سوچ کا احاطہ معروف کشمیری نژاد امریکن مصنفہ اطہر ضیا نے ان الفاظ میں کیا ہے کہ ''قابل قتل'' قوم ہے۔ اگر بھارت کے بس میں ہوتا تو وہ ایک جھٹکے میں ہر کشمیری مسلمان کو گرفتار کر لیتا، پوری قوم کو کسی دھماکے سے جوڑ کر جیلوں میں ڈال دیتا اور ساری آبادی کو ایک ہیڈلائن کا توسیعی حصہ بنا دیتا۔ ابھی تک اسے روکے ہوئے صرف عالمی سطح پر جمہوریت کا چربہ برقرار رکھنے کی مجبوری ہے۔ بھارتی عوام سے توقع رکھنا کہ وہ تاریخ سمجھیں گے اور اپنے تعصب سے باہر نکلیں گے، ایں خیال است و محال است و جنوں است۔ وہ نادان جنونی جو بھارتی مسلمانوں کو محض فریج میں گوشت رکھنے کے شبہ میں بے دردی سے قتل کر دیتے ہیں اور کھلم کھلا ان کے قتل عام کا مطالبہ کرتے ہیں، ان سے یہ توقع بے کار ہے۔ دنیا کو جاگنا ہوگا کہ ایک اور بڑا قتل عام کو روکنا ہو گا۔ بھارت چاہتا ہے کہ عالمی برادری کشمیریوں کو ولن، دہشت گرد اور انتہا پسند سمجھ لے تاکہ جب اگلی بڑی بے دخلی یا قتل عام ہو تو دنیا کندھے اچکائے یا، اس سے بھی برا کوئی طریقہ اختیار کر کے، متاثرین کو ہی قصوروار ٹھہرائے۔ اسلامی دنیا کو بالخصوص اس صورت حال کو دیکھنا ہوگا اور بروقت اقدامات اٹھانے پڑیں گے ورنہ ایک اور جموں جیسا قتل عام اور سپین جیسا منظر نامہ بالکل سامنے نظر آرہا ہے۔ اللہ رحم فرمائے

OOO

سرینگر کے نوگام پولیس سٹیشن میں زوردار دھماکہ، پولیس کمپاؤنڈ سمیت کئی پولیس گاڑیاں جل کر تباہ، 9 پولیس اہلکار ہلاک، 32 زخمی

نئی دلی کے لال قلعہ دھماکے کی آڑ میں مقبوضہ کشمیر کے طول وعرض میں بھارتی فوج کی جانب سے بلا جواز عام شہریوں کی گرفتاریوں کا سلسلہ تیز

57 ڈاکٹروں سمیت 1700 سے زائد شہری گرفتار

ہمایوں قیصر

19 اکتوبر 2025ء۔۔۔مقبوضہ کشمیر کے گرمائی دارالحکومت سری نگر میں ڈیوٹی پر معمور بھارتی فوج کا ایک اہلکار اچانک بے ہوش ہو کر ہلاک ہو گیا۔

21 اکتوبر 2025ء۔۔۔بھارتی پولیس نے راجوری سے تعلق رکھنے والے ایک شخص محمد فرید ساکن گنڈہ خواص کو ایک جھوٹے مقدمے کے سلسلے میں کولگام میں ایک تلاشی مہم کے دوران گرفتار کر لیا۔

23 اکتوبر 2025ء۔۔۔ضلع رام بن میں بھارتی فوج کی سرپرستی میں قائم ویلج ڈیفنس گارڈ (وی ڈی جی) کا ایک رکن بٹو رام بالی ہوٹ علاقے میں ایک کھائی میں پراسرار حالت میں مردہ پایا گیا۔

25 اکتوبر 2025ء۔۔۔ جموں ریلوے سٹیشن پر ڈیوٹی کے دوران بھارتی پولیس کا ایک اہلکار شوکت احمد اپنی سروس رائفل سے حادثاتی طور پر گولی نکلنے کے باعث زخمی ہو گیا ہے۔ جبکہ ایک اور واقعے میں ضلع پونچھ کے علاقے گورسائی مینڈھر میں ایک سڑک حادثے میں پولیس کی گاڑی سڑک سے پھسل گئی جس کے نتیجے میں چار پولیس اہلکار زخمی ہو گئے۔

28 اکتوبر 2025ء۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں کاؤنٹر انٹیلی جنس کشمیر (CIK) نے بھارتی فوج نے سوشل میڈیا پر آزادی کے حق میں پوسٹ کرنے پر سرینگر کے علاقوں خواجہ باغ، ملورہ اور نوگام میں گھر گھر چھاپوں کے دوران 17 سالہ ہاشم مشہود لون اور 15 سالہ محمد حاذق آہنگر کو گرفتار کیا۔ دونوں سے سخت پوچھ گچھ کی گئی اور انہیں ہراساں کر کے خبردار کیا گیا کہ وہ کشمیریوں کے حق خود ارادیت کو اجاگر کرنے اور بھارتی تسلط سے آزادی سے متعلق مواد اور ویڈیوز شیئر کرنے سے باز رہیں۔ضلع سانبہ کے علاقے رام گڑھ میں پراسرار طور پر ایک نامعلوم شخص کی لاش برآمد ہوئی ہے۔

29 اکتوبر 2025ء۔۔۔ضلع کپواڑہ کے علاقے کولنگام توتی گنڈ میں بھارتی فوج کا چھوڑا ہوا ایک آوارہ شیل پھٹنے سے چار کشمیری لڑکے زخمی ہو گئے۔ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب بچے ایک کھلے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے کہ ان کے قریب موجود بھارتی فوج کی طرف سے چھوڑا گیا ناکارہ شیل اچانک دھماکے سے پھٹ گیا۔زخمیوں کی شناخت عزیر طاہر، ساجد رشید، حازم شبیر اور ذیان طاہر کے طور پر ہوئی ہے۔جموں و کشمیر میں ”بی کوئین“ کے نام سے مشہور ثانیہ زہرا کو ضلع اسلام آباد میں بھارتی فورج کی طرف سے ہراسگی اور بدتمیزی کا سامنا کرنا پڑا ۔انہیں ضلع اسلام آباد کے قریب بھارتی فوج نے تلاشی اور محاصرے کی کارروائی کے دوران نہ صرف انہیں اور انکی ٹیم کو ہراساں کیا بلکہ ان سے بدتمیزی کی اور گالیاں بھی دیں گئیں ۔ زہرا نے اس واقعے کی ویڈیو سوشل میڈیا پر براہ راست نشر کی۔ یاد رہے ثانیہ زہرا کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوجیوں کی طرف سے خواتین کے ساتھ روا رکھے گئے بدترین سلوک یا انہیں ہراساں کرنے کا کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ مقبوضہ علاقے میں یہ روزمرہ کا معمول ہے۔

30 اکتوبر 2025ء۔۔۔ضلع پونچھ میں کنٹرول لائن پر تعینات ایک بھارتی فوجی کرشا پال سنگھ نامی فوجی پوسٹ پر فائرنگ ڈرل کے دوران حادثاتی طور پر گولی چلنے سے زخمی ہو گیا۔بھارتی انتظامیہ نے مزید 2 کشمیری مسلمان سرکاری ملازمین غلام حسین اور ماجد اقبال ڈار جو محکمہ تعلیم میں بطور استاد تعینات تھے کو برطرف کر دیا ہے۔انتظامیہ نے ملازمین کی برطرفی کا جواز فراہم کرنے کے لیے ان پر بھارتی خودمختاری اور سالمیت کے خلاف سرگرمیوں میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا ہے۔

2 نومبر 2025ء۔۔۔بھارتی پولیس نے کالے قانون کے تحت ضلع بارہمولہ میں دو کشمیری نوجوانوں اویس فاروق اور احسن فیاض کو گرفتار کرنے کے بعد جموں کی امپھالہ جیل منتقل کر دیا۔

7 نومبر 2025ء۔۔۔ضلع کولگام کے علاقے امنو میں ایک بھارتی پولیس اہلکار بلبیر سنگھ دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہو گیا۔

8 نومبر 2025ء۔۔۔ضلع کپواڑہ کے کیرن علاقے میں ایک جھڑپ کے دوران بھارتی فوج نے دو مجاہدین کو شہید کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔بھارتی انتظامیہ نے ضلع کٹھوعہ میں دو کشمیری سپیشل پولیس افسروں (ایس پی اوز) عبدالطیف اور محمد عباس نامی افسروں کو ملازمت سے برطرف کر دیا ہے۔انتظامیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ دونوں (ایس پی اوز) مجاہدین کے ساتھ تعاون اور ان کی مدد کرنے میں ملوث رہے ہیں۔

09 نومبر 2025ء۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی پولیس نے خوف و دہشت کا ماحول پیدا کرنے کے لئے دو ڈاکٹروں کو گرفتار کر کے گورنمنٹ میڈیکل کالج اسلام آباد کے ایک سینئر ڈاکٹر کے لاکر Locker سے ایک AK-47 رائفل برآمد کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔گرفتار کیے گئے دونوں ڈاکٹروں کا تعلق قاضی گنڈ اور پلوامہ سے ہے جن کو بھارتی پولیس نے میڈیکل کالج میں تلاشی کارروائی کے بعد حراست میں لیا۔اس

واقعے سے واضح ہوگیا کہ مقبوضہ علاقے میں قابض بھارتی حکام سکیورٹی کی آڑ میں عام شہریوں، پیشہ ور افراد اور دانشوروں کو مجرم قرار دینے کے لیے کس طرح کالے قوانین کا استعمال کر رہے ہیں۔ضلع اسلام آباد سے تعلق رکھنے والے ایک ڈاکٹر کو سری نگر میں کشمیر کی آزادی کے حق میں پوسٹرز لگانے کے الزام پر بھارتی ریاست اتر پردیش کے شہر سہارنپور میں گرفتار کیا گیا ہے جو وہاں ایک نجی اسپتال میں کام کر رہا تھا۔پولیس نے الزام عائد کیا ہے کہ ڈاکٹر عادل احمد کی شناخت سی سی ٹی وی فوٹیج کے ذریعے ہوئی ہے جس میں اسے سرینگر کے متعدد مقامات پر پوسٹرز لگاتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔بھارتی پولیس نے ڈوڈہ اور کٹھوعہ اضلاع میں متعدد مقامات پر چھاپے مارے اور درجنوں افراد کو پاکستان یا آزاد جموں وکشمیر میں مقیم اپنے رشتہ داروں سے مبینہ روابط پر پوچھ گچھ کے لیے طلب کیا۔یہ چھاپے بنیادی طور پر شہید نوجوانوں اور پاکستان یا آزاد جموں کشمیر میں مقیم ان کے رشتہ داروں کے گھروں پر مرکوز تھے۔ضلع ڈوڈہ میں ہندو اساتذہ مودی حکومت کی ایماء پر بچوں کو انتہاپسندی کی تعلیم اور تشدد کی ترغیب دینے لگے ہیں۔سوشل میڈیا پر وائرل ایک ویڈیو میں ایک ہندو ٹیچر کو جس کی شناخت چندر کمار کے طور

پر ہوئی ہے، گورنمنٹ مڈل اسکول سچل میں نئے تعلیمی سیشن کے آغاز پر بچوں کو صبح کی اسمبلی میں ''خون سے تلک ،گولیوں سے آرتی کرو'' اور ''جے ہند، جے بھارت'' کے نعرے لگواتے ہوئے سنا جا سکتا ہے۔چندر کمار کے پس منظر میں اسکول کے لان میں چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں صبح کی اسمبلی کے لیے قطار میں کھڑے ہیں اور وہ ''وندے ماترم'' کا متنازعہ گیت گاتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔واضح رہے ضلع ڈوڈہ کے چیف ایجوکیشن آفیسر نے حال ہی میں ایک حکمنامہ جاری کیا تھا جس میں طلباء کے لئے صبح کی اسمبلیوں میں ہندوتوا گیت ''وندے ماترم'' گانا لازم قرار دیا گیا تھا۔یاد رہے اس حکمنامے کے خلاف پورے مقبوضہ جموں وکشمیر میں معتدد دفعہ شدید احتجاج کیا گیا۔

11 نومبر 2025۔۔۔ضلع پلوامہ ،شوپیاں ،سرینگر ،بڈگام، ہندواڑہ، کولگام اور گاندربل کے علاقوں میں بھارتی فوج اور پولیس اہلکاروں اور دیگر ایجنسیوں نے صرف تین دنوں کے دوران محاصرے اور تلاشی کی مہم تیز کرتے ہوئے تقریبا 1500 افراد کو گرفتار کرلیا۔گرفتار کیئے گئے نوجوانوں میں ڈاکٹر مزمل احمد گنائی اور ڈاکٹر عدیل احمد کے علاوہ عارف نثار ڈار، یاسر الاشرف، مقصود احمد ڈار، مولوی عرفان احمد اور ضمیر احمد اہنگر بھی شامل ہیں۔ان کارروائیوں کا بنیادی اہداف آزادی پسند کارکن ، ان کے ہمدرد، اوور گراؤنڈ ورکروں کے گھر تھے جن کے مکان اور بینک کے دستاویزات، ڈیجیٹل آلات، کتابیں اور دیگر اشیا ضبط کیئے گئے ۔ضلع شوپیاں میں پولیس نے کالے قانون یو اے پی اے کے تحت 13 کشمیریوں کی ضمانتوں کی تنسیخ کی اپیل کی ہے۔بھارتی پولیس نے کالے قانون کے تحت درج مقدمات میں ضمانت پر رہا ہونے والے کشمیریوں کے خلاف الزام لگایا ہے کہ ان میں سے بعض نے ضمانت کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے۔

11 نومبر 2025۔۔۔ضلع پونچھ کے علاقے مینڈھر میں ایک بھارتی فوجی اہلکار کا پاؤں گشت کے دوران حادثاتی طور پر بارودی سرنگ پر پڑا جس کے نتیجے میں وہ زخمی ہوگیا۔جبکہ ضلع پونچھ میں ہی ایک اور واقعے کے دوران بھارتی فوج کا پورٹر مشتاق احمد ساکن بالائی علاقے چیمبر کناری میں پھسل کر گرنے سے ہلاک ہوگیا ہے۔

12 نومبر 2025۔۔۔بھارتی انتظامیہ نے معروف قانون دان اور ہائیکورٹ بار ایسوی ایشن کے سابق صدر میاں عبدالقیوم کا دو منزلہ گھر اور 2 کنال سے زائد پر مشتمل جائیداد کالے قانون ُیو اے پی اےُ کے تحت ضبط کرلی ہے۔یاد

رہے میاں عبدالقیوم بہت سے جھوٹے مقدمات کے الزامات میں جموں جیل میں قید ہیں۔

13 نومبر 2025۔۔۔بھارتی تحقیقاتی ایجنسیوں نے دلی میں لال قلعے کے قریب ہونے والے چند دن پہلے ہونے والے دھماکے کی آڑ میں ڈاکٹر عمر النبی اور مزمل احمد گنائی سمیت 57 ڈاکٹروں کو دھماکے میں ملوث کر دیا ہے۔اس سلسلے میں دہلی پولیس کی تفتیشی ٹیمیں وادی میں پہنچی ہیں جہاں انہوں نے اس منصوبے میں 57ڈاکٹروں جن میں ایک خاتون ڈاکٹر بھی شامل ہے سمیت 1700 سے زائد کشمیریوں کو گرفتار کرکے اکثر کو" پبلک سیفٹی ایکٹ اور یو اے پی اے" جیسے کالے قوانین کے تحت جیل بھیج دیا۔بھارتی قابض انتظامیہ نے سیاسی اور دینی تنظیموں کے خلاف اپنی کارروائی جاری رکھتے ہوئے جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر اور جموں وکشمیر نیشنل فرنٹ کے اراکین اور کارکنوں کے گھروں پر چھاپے مار کر مکینوں کو ہراساں کیا اور بینک اور مکانوں کے اہم کاغذات اور موبائل فون اور لیپ ٹاپ وغیرہ قبضے میں لے لئے۔ضلع پونچھ میں پولیس نے ایک اور کشمیری محمد اقبال کی جائیداد جسکی مالیت تقریباً ایک کروڑ 11 روپے ہے کو ضبط کر دیا ہے۔بھارتی فوج ،بھارتی پولیس،اور کاونٹر انٹیلی جنس کشمیر (CIK) کے اہلکاروں نے وادی کشمیر کے اسلام آباد، پلوامہ اور کولگام اضلاع کے علاوہ جموں خطے کے ضلع ڈوڈہ میں تقریباً 13 مقامات پر چھاپے مارے اور آزادی پسند کارکنوں،کشمیری پیشہ ور افراد اور عام شہریوں کے گھروں کو نشانہ بنایا۔

14 نومبر 2025۔۔۔ضلع بارہمولہ کے علاقے سوپور میں بھارتی ریاست اتر پردیش کا رہائشی نور محمد سوپور منڈی میں ایک گاڑی کے اندر مردہ پایا گیا۔ضلع پلوامہ کے علاقے پامپور میں بھارتی انتظامیہ نے حریت رہنما محمد یعقوب شیخ کا گھر اور چار مرلہ پر مشتمل زمین ضبط کر لی ہے۔محمد یعقوب شیخ اس وقت آزاد جموں وکشمیر میں مقیم ہیں جو کل جماعتی حریت کانفرنس کے سینئر رہنما شیخ عبدالعزیز شہید کے چھوٹے بھائی ہیں۔یاد رہے شیخ عبدالعزیز کو بھارتی فوجیوں نے 11 اگست 2008 میں ضلع بارہمولہ کے علاقے اوڑی میں ایک جلوس کے دوران فائرنگ کرکے شہید کر دیا تھا۔

15 نومبر 2025۔۔۔گرمائی دارالحکومت سری نگر کے مضافات میں واقع نوگام تھانے میں ہونے والے ایک پُراسرار زوردار دھماکے میں کم از کم 9 پولیس اہلکار ہلاک جبکہ 32 کے لگ بھگ زخمی ہو گئے ہیں۔دھماکہ اس وقت ہوا جب پولیس کی ایک ٹیم تھانے میں رکھے گئے دھماکہ خیز مواد کی جانچ کر رہی تھی۔مرنے والوں میں زیادہ تر فرانزک اہلکار شامل ہیں جو مواد کی جانچ کر رہے تھے۔قبل ازیں بھارتی حکام نے بھارتی ریاست ہریانہ کے علاقے فرید آباد میں ایک کرائے کے مکان سے 360 کلو گرام دھماکہ خیز مواد کی برآمدگی کا دعویٰ کیا تھا۔مواد کا کچھ حصہ جانچ کیلئے نوگام تھانے میں لایا گیا تھا۔حکام نے یہ بھی دعویٰ کیا تھا کہ فرید آباد کے جس مکان سے دھماکہ کہ مواد برآمد کیا گیا اس میں ایک کشمیری ڈاکٹر مزمل گنائی رہائشی پذیر تھا۔پولیس نے مزمل گنائی کو بھی گرفتار کر لیا ہے۔ضلع پلوامہ کے علاقے کرالہ چیک سے تعلق رکھنے والی ایک 35 سالہ خاتون لولی جان زوجہ معراج الدین وگے پراسرار حالت میں مردہ پائی گئی۔

انتقال پر ملال ماہ نومبر 2025

حریت رہنما شوکت حسین بٹ پلوامہ کے (برادر اصغر) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے ☆ غلام احمد ڈار (عمہ چاچا) ماگام ہندواڑہ (مظفر آباد آزاد کشمیر) میں قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ☆ دانش بھائی اُدھم پور کے (والد) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے ☆ قاری مصعب الحق کولگام اسلام آبادی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں ☆ محمد رمضان (عمر حیات) بارہمولہ (میرپور آزاد کشمیر) میں وفات پا گئے

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے آمین

قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں